بسم اللہ الرحمن الرحیم

Shia Books PDF منظر ایلیاء

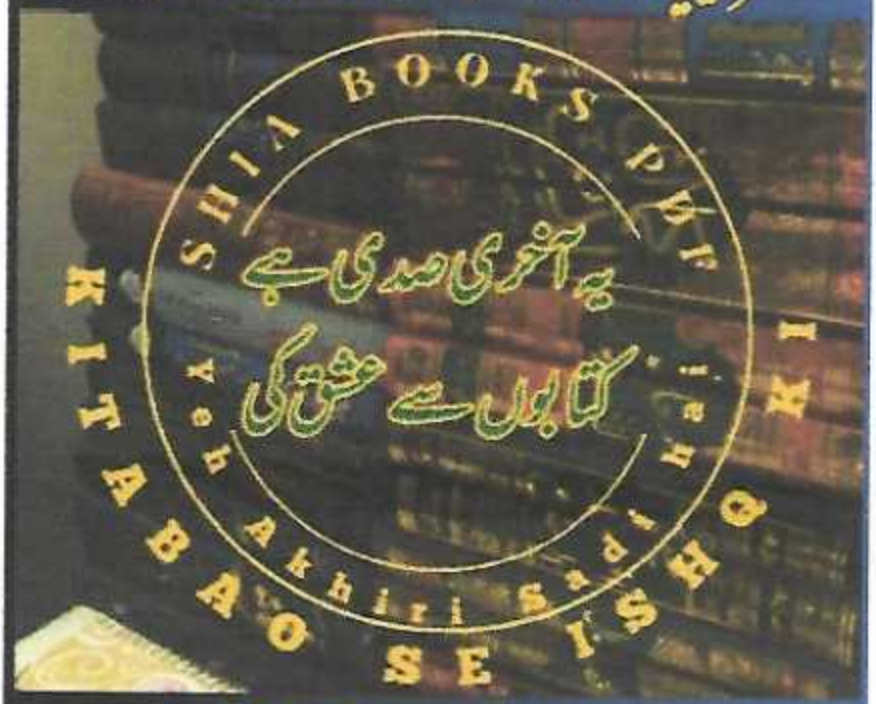

MANZAR AELIYA
9391287881
HYDERABAD INDIA

قرآن و سنت کے آئینہ میں

۱۱

تاریخِ حدیث

مصنف

علامہ سید مرتضیٰ عسکری طاب ثراہ

نام کتاب: تاریخ حدیث
مؤلف: علامہ سید مرتضیٰ عسکری طاب ثراہ
مترجم: سید کمیل اصغر زیدی
نظر ثانی: سید کمیل اصغر زیدی
ناشر: اہل بیتؑ کونسل انڈیا
اشاعت: سنہ ۱۴۴۳ھ سنہ ۲۰۲۲ء

ملنے کا پتہ:
۱۔ حوزۂ علمیہ امام ثمینیؒ، وٹوا، احمد آباد، گجرات
۲۔ ادارۂ اصلاح، لکھنؤ
۳۔ ہدیٰ مشن، لکھنؤ
۴۔ مرزا اظہر عباس، درگاہ پنجہ شریف، دہلی (موبائل: 9811627518)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللہِ الاِسلَام"

"دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے"
(سورۂ آل عمران، آیت ۱۹)

"وَ مَن یَّبتَغِ غَیرَ الاِسلَامِ دِیناً فَلَن یُّقبَلَ مِنہُ"

"اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا
تو وہ دین اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔"
(سورۂ آل عمران، آیت ۸۵)

فہرست مطالب

عرض ناشر 5

اتحاد؛ قرآن وسنت کے آئینہ میں 8

مقدمہ 10

وحی بیانی اور وحی قرآنی کیا ہے؟ 17

حدیث پیغمبر ﷺ کی تاریخ 27

خلیفۂ دوم نے حدیث پیغمبرؐ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ 38

پہلے: حدیث پیغمبرؐ کے نقل کرنے پر پابندی 38

دوسرے: قرآن کے بارے میں سوال پر پابندی 41

تیسرے: تفسیر قرآن پر پابندی 46

حدیث پیغمبرؐ؛ حضرت علیؑ کی خلافت اور معاویہ کے دور میں 57

حدیث پیغمبرؐ مکتب اہل بیتؑ میں 64

نقل حدیث میں تشیع کی دقتِ نظر کا ایک نمونہ 74

عرض ناشر

عالم فرزانہ، محقق یگانہ، نابغہ دہر علامہ سید مرتضٰی عسکری علیہ الرحمہ کی ذات گرامی علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کے آثار تعصب اور جانبداری سے پاک، اپنے خاص طرزِ بیان اور اسلوبِ تحقیق کی بناپر فریقین کے درمیان انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

آپ نے مختلف علمی وفلاحی اداروں کی بنیاد رکھی جن میں "اصول دین کالج" خاص طور سے قابل ذکر ہے جہاں تفسیر، حدیث شناسی اور کلام و عقائد کے تقابلی مطالعہ کے خصوصی دروس ہوتے تھے۔

آپ نے مختلف ممالک کا سفر کرکے اسلامی شخصیات سے ملاقات کی۔ اس طرح آپ نے بہت نزدیک سے بذات خود حالات کا جائزہ لیا اور اپنی ذہانت و دور اندیشی کے ذریعہ امت مسلمہ کے نہ صرف یہ کہ اصل درد کی تشخیص فرمائی بلکہ مناسب نسخۂ علاج بھی تجویز کردیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ (طالب علمی کے) آغاز سے ہی سیرت و تاریخ پیغمبرؐ و اصحاب، صدر اسلام کے فتنوں اور سفرناموں کے مطالعہ کا شوق تھا۔ اسلامی ممالک میں استعماری طاقتوں کی ریشہ دوانیوں پر بھی نظر رکھتا تھا۔

آپ اسلامی اتحاد اور تقریب مذاہب کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کرتے تھے۔ آپ کا خیال تھا: "شیعوں کی باتیں (عقائد) اس وقت مقبول ہو سکتی ہیں کہ جب انہیں تاریخی تہمتوں سے پاک کر دیا جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انہیں تہمتوں اور ناروا الزامات کے ذریعہ دشمنانِ اسلام نے شیعوں اور سنیوں کے درمیان بغض وکینہ اور عداوت ودشمنی کے بیج بوئے ہیں۔"

آپ کو یقین کامل تھا کہ اگر شیعیت کی پیشانی سے تہمتیں اور ناروا الزامات ہٹ جائیں اور برادران اہل سنت کو "حقیقی شیعیت" کا تعارف حاصل ہو جائے تو اس دشمنی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ کے آثار میں یہی عنصر واضح طور پر نظر آتا ہے۔

آپ نے اپنی دقیق تحقیق کے ذریعہ محققین کو ششدر کر دیا۔ آپ نے ایسے ناقابل تردید ثبوت اور موارد مہیا کئے کہ جن کی بنیاد پر صحیح تاریخ کو جھٹلانا ممکن نہیں ہے۔

آپ نے عموماً انہیں موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جن پر صدیوں سے دونوں مکاتبِ فکر کے درمیان معرکہ آرائی جاری ہے لیکن آپ کی تحریروں میں مخالف پر حملہ، سطحی اور غیر معیاری عبارتوں، تعصب، جانبداری اور شدت پسندی کا رنگ دور دور تک نظر نہیں آتا۔ آپ نے اعتدال وانصاف اور حد درجہ تحقیق اور تدقیق کے ذریعہ ہر موضوع پر اتنی سیر حاصل بحث کی ہے کہ پڑھنے والے قاری کے ذہن میں الجھن نہیں رہ جاتی۔

زیر نظر مجموعہ "قرآن وسنت کے آئینہ میں" صلوات، متعہ، امت کے بارہ امام، عدالت صحابہ، صفاتِ خدا، جبر و تفویض وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر مشتمل ہے جن کے ذریعہ دیگر مکاتب فکر کے افراد مکتب اہل بیتؑ کو نشانہ بناتے رہے ہیں۔ یہ مسائل ہمارے یہاں اکثر ذاتی نشستوں، علمی حلقوں بلکہ محراب ومنبر کا موضوع قرار پاتے ہیں اور بسا اوقات ان کے ذیل میں پیش کئے جانے والے مطالب "دلائل" کے بجائے "تفریح طبع" کا سامان محسوس ہوتے ہیں۔ ایسے حساس موضوعات پر محکم ومعتدل تحریروں سے علامہ مرتضیٰ عسکری علیہ الرحمہ کے تبحر، اندازِ تحقیق اور اعتدال وانصاف کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"اہل بیتؑ کونسل انڈیا" اس مجموعہ کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ امید ہے کہ یہ پیشکش اختلافی مسائل کو سنجیدہ اور علمی اصولوں کے ذریعہ حل کرنے میں معاون ومددگار ہوگی۔

ہم "علامہ عسکری علمی وثقافتی مرکز" اور مترجمین بالخصوص حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا کمیل اصغر زیدی صاحب کے شکر گزار ہیں جن کے مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں یہ مجموعہ آپ کے ہاتھوں تک پہنچ رہا ہے۔

والسلام

اہل بیتؑ کونسل انڈیا

اتحاد؛ قرآن و سنت کے آئینہ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ، وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ علیٰ محمدٍ وَّ آلِہِ الطَّاھِرِینَ وَ السَّلَامُ علیٰ أصحابِہِ البَرَرَۃِ المَیَامِین۔

ہم مسلمانوں کے درمیان بعض اختلافی مسائل کی بناپر جب اندرونی اختلافات پیدا ہوئے تو اسلام دشمنوں نے باہر سے ہمارے اندر ایسی دراڑیں ڈال دیں کہ جن کا ہمیں احساس بھی نہ ہوسکا نتیجہ میں ہم اپنے ممالک کا دفاع بھی نہ کرسکے اور دشمن ہمارے سر پر مسلط ہوگئے اور ہم یہ بھول گئے کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے:

"وَ اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ رَسُولَہُ وَ لَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْھَبَ رِیحُکُمْ"

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ تمہاری ہوا بگڑ جائے گی۔"[1]

---

[1] سورۂ انفال، آیت ۴۶

لہٰذا مناسب یہی ہے کہ جب کبھی بھی ہمارے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو تو ہم قرآن مجید اور پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت کے ذریعہ پرچم توحید کے زیر سایہ جمع ہو کر اپنے درمیان اتحاد کی راہ ہموار کریں جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُولِ"

"اور جب تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف پیدا ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پلٹادو۔"[1]

چنانچہ ان ہی آیات کریمہ پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنی اس گفتگو میں کتاب و سنت کا دامن تھام کر ان کی رہنمائی میں اپنے اختلافی مسائل کا حل تلاش کریں گے تاکہ خدائے متعال کے اذن سے ہم سب ایک بار پھر ایک زبان ہوجائیں اور ہماری قومی وحدت واپس لوٹ آئے۔

علمائے کرام اور اہل نظر حضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس کارِ خیر میں ہمارا تعاون فرمائیں اور ہمیں اپنے خیالات سے ضرور مطلع فرمائیں۔

سید مرتضیٰ عسکری

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۵۹

مقدمہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ وَ الصَّلاةُ وَ السَّلامُ علىٰ مُحمدٍ وَ آلِهِ الطَّاهِرِينَ وَ السَّلامُ عَلىٰ أَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَ أَصْحَابِهِ الْمَيَامِينَ۔

خداوند عالم نے یہ ارشاد فرمایا ہے :

"لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوعَلَيهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتابَ وَ الْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِينٍ"[1]

"یقیناً خدا نے صاحبان ایمان پر احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو اُن پر آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاکیزہ بناتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ یہ لوگ پہلے سے بڑی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہے : "وَ اَنْزَلْنَا اِلَيكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيهِمْ"[2]

"اور آپ کی طرف بھی ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے۔"

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۴

[2] سورۂ نحل، آیت ۴۴

پہلے تمہید کے عنوان سے چند چیزیں بیان کر دینا ضروری ہیں اور اس کے بعد ہی پیغمبر اکرم ﷺ کی شریعت میں حدیث اور علم حدیث کی قدر و قیمت کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر ہم دونوں مکاتب فکر (مکتب اہل بیتؑ اور مکتب خلفاء) کے یہاں تاریخ حدیث کا بھی ایک جائزہ پیش کریں گے۔

پہلے تو یہ کہ اسلام ایک ایسا نظام (قانون) ہے کہ جسے خداوند عالم نے انسان کی فطرت کے مطابق بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اسے (انسان کو) منزل کمال تک پہنچا سکے اس لئے حضرت آدمؑ سے لے کر آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک ہر دور کی ضرورتوں کے مطابق اسی شریعت کو نازل فرمایا ہے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے اوپر چند گھرانوں کی ضرورت کے مطابق صحیفے نازل کئے یا حضرت ادریسؑ پر ایک گاؤں (کی مختصر آبادی) کے لئے صحیفے نازل کئے گئے۔۔۔ یہاں تک کہ حضرت نوحؑ کے دور میں لوگ شہروں میں آباد تھے اور ان کے درمیان "سود" رائج ہو گیا تھا لہٰذا ان کی شریعت کو اُس دور کی ضروریات کے مطابق نازل فرمایا؛ قرآن کریم میں ان کی شریعت کے بارے میں یہ ارشاد ہے : "شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهِ نُوحاً"[1] اس نے تمہارے لئے دین میں وہ راستہ مقرر کیا ہے جس کی نصیحت نوحؑ کو کی ہے۔"

---

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۱۳

انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیساکہ ایک اور سورہ میں ارشاد ہے: "وَاِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَاِبْرَاهِيمَ"[1] "ابراہیمؑ جناب نوحؑ کی شریعت کے پیرو تھے۔"

اور ہمیں یہ حکم دیا ہے: "فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً"[2] "تم سب ملتِ ابراہیمؑ کا اتباع کرو وہ باطل سے کنارہ کش تھے۔"

پیغمبر اکرم ﷺ سے بھی یہ فرمایا ہے: "وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً"[3] "اور ملت ابراہیم کا اتباع کیجئے جو باطل سے کترانے والے تھے۔"

آسمانی شریعتوں کے درمیان کوئی تضاد (ٹکراؤ) نہیں تھا بلکہ یہ سب اپنی منزل تکمیل کی طرف رواں دواں تھیں اور جب پیغمبر اکرمؐ نے خدا کے حکم سے غدیر خم میں حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنا دیا تو یہ آیت نازل ہوئی: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ۔۔۔"[4] "آج ہم نے آپ کے لئے آپ کے دین کو کامل بنا دیا اور آپ کے اوپر اپنی نعمتیں تمام کر دیں۔" "اور آپ کے دین اسلام کو پسندیدہ بنایا ہے۔

---

[1] سورۂ صافات، آیت ۸۳

[2] سورۂ آل عمران، آیت ۹۳

[3] سورۂ نساء، آیت ۱۲۵

[4] سورۂ مائدہ، آیت ۳

حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت ختمی مرتبتؐ تک شریعتوں کی تکمیل کے سفر (ترقی) کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے پرائمری اسکول سے ہائی اسکول تک اور وہاں سے یونیورسٹی تک علم ریاضی مختلف مرحلے طے کرتے ہوئے تکمیل کی منزل تک پہنچتا ہے۔

البتہ گذشتہ شریعتوں میں پوری شریعت کے احکام، ان کی آسمانی کتاب میں تحریر ہوتے تھے چاہے وہ حضرت آدمؑ کے صحیفے ہوں یا حضرت نوحؑ کے صحیفے اور یا حضرت موسیٰؑ کے صحیفے لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کی شریعت میں ایسا نہیں ہے جس کا تفصیلی تذکرہ بعد میں آئے گا۔

دوسرے یہ کہ تمام صاحب شریعت رسولوں نے اپنے بعد کے لئے کسی نہ کسی کو اپنی شریعت کا وصی (ولی وسرپرست) بنایا تھا۔

"عقائد الاسلام من القرآن الکریم" کی دوسری جلد میں حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت ختمی مرتبتؐ تک سلسلۂ انبیاء کے اوصیاء کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ تاکید بھی ہے کہ کوئی بھی نبی، وصی کے بغیر نہیں گذرا جیسے:

حضرت آدمؑ کے وصی جناب شیث "ھِبَةُ اللہ" کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت نوحؑ کے وصی "سام" تھے۔

حضرت موسیٰؑ کے وصی کا نام "الیسع" تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کے وصی کا نام "شمعون" تھا۔

اسی طرح تمام انبیاء کے وصی موجود تھے۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اوصیاء صاحب شریعت نہیں تھے۔

تیسرے یہ کہ جب تک صاحب شریعت نبی کے اوصیاء زندہ رہے اس وقت تک اس کی شریعت اور آسمانی کتاب دونوں بالکل محفوظ تھے لیکن وصی پیغمبر کی وفات ہوتے ہی اس امت میں برسر اقتدار حکام اور اہل حکومت اس میں "تحریف" یا اسے "مخفی" کردیتے تھے، وہی لوگ جو اپنے کو جناب موسیٰ بن عمرانؑ کا پیرو کہتے تھے وہی لوگ توریت کے اس حصہ میں تحریف کردیتے تھے جو ان کی مرضی کے برخلاف تھا۔ جناب عیسیٰؑ کی شریعت میں بھی بالکل یہی صورت حال تھی۔ "اصول الدین کالج" تہران میں توریت اور انجیل کے ایسے نسخے موجود ہیں جن میں پیغمبر اسلامؐ کے ظہور کی بشارت دی گئی ہے لیکن بعد والی طباعتوں میں انہیں تبدیل کردیا گیا ہے۔ (اس گفتگو کے آخر میں اس کی وضاحت آئے گی۔)

اسی طرح ہر امت اور شریعت والے اپنی شریعتوں میں "بدعتیں" اور "غلو" داخل کردیتے تھے جیساکہ قرآن مجید میں یہودیوں کے بارے میں یہ ارشاد ہے: "مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ" [1] "یہودیوں میں وہ لوگ جو کلمات الہیہ کو ان کی جگہ سے ہٹادیتے ہیں۔"

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۴۶

یا اہل کتاب کے بارے میں یہ ذکر ہے: "وَإِنَّ فَرِيقاً مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ" [1] "بس ان کا ایک گروہ جو حق کو دیدہ ودانستہ چھپارہا ہے۔"

عیسائیوں کے لئے آیا ہے: "وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا" [2] "اور جس رہبانیت کو ان لوگوں نے از خود ایجاد کرلیا تھا۔"

نیز یہ بھی ارشاد ہے: "لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ" [3] "اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرنا۔"

حقیقت یہ ہے کہ رہبانیت یا غلو (کہ جناب عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں) یہ سب جناب عیسیٰؑ کی شریعت میں موجود نہیں تھا۔

جب ایک شریعت کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا تھا تو اس کی اصلاح کے لئے (نئی شریعت) کی ضرورت درپیش ہوتی تھی مثلاً جو شریعت حضرت موسیٰ بن عمرانؑ (توریت کے ساتھ) لائے تھے وہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک صحیح وسالم نہ رہ سکی اس لئے رب العالمین، پروردگار کی ربوبیت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ ایک اور رسول بھیج کر اسے حیات نو عطا کردے۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۶

[2] سورۂ حدید، آیت ۲۷

[3] سورۂ نساء، آیت ۱۷۱

واضح رہے کہ شریعتوں کے درمیان نہ صرف یہ کہ کوئی ٹکراؤ نہیں تھا بلکہ وہ تکامل اور ترقی و کمال کی منزلیں طے کررہی تھیں اگرچہ یہ دوسری بات ہے کہ وصی پیغمبر کے بعد ان میں تحریف کردی جاتی تھی۔

رب العالمین پروردگار کی حکمت یہی تھی کہ خاتم الانبیاء ﷺ کی شریعت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے اور کیونکہ انسانوں کی فطرت کبھی تبدیل نہیں ہوتی ہے اور اس امت کے اہل زور و زر (ڈکٹیٹروں، خلفاء اور حکام) کے مزاج میں گذشتہ امتوں کے اہل دولت و حکومت کے مزاج کی طرح ذرہ برابر کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے لہٰذا اگر ان لوگوں کے بس کی بات ہوتی تو یہ بھی پیغمبر اکرمؐ کی آسمانی کتاب میں تحریف کردیتے اور جو کچھ بھی ان کی مرضی کے خلاف ہوتا یا تو اسے بدل دیتے یا کم از کم اسے مخفی کردیتے، جس کے بعد قرآن مجید کی وہ اہمیت نہ رہ جاتی جو آج ہمارے درمیان ہے یعنی ایسا قرآن کہ جس کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسے خداوند عالم نے نازل فرمایا اور اس کا کوئی ایک کلمہ یا ایک حرف بھی کم یا زیادہ نہیں ہوا ہے۔

اسی لئے خاتم الانبیاء ﷺ کی شریعت کو امت تک پہنچانے نیز اسے آخری منزل تک تحریف سے بچانے کے لئے اس شریعت کو دو طرح کی وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے:

الف: وحی قرآنی

ب: وحی بیانی

وحی بیانی اور وحی قرآنی کیا ہے؟

وحی قرآنی: وہ وحی ہے جس کے تمام الفاظ خداوند عالم نے نازل کئے ہیں اور وہ یہی "قرآن کریم" ہے جس میں شریعت کے اصول اور اس کے اہم احکام کا تذکرہ موجود ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے: "أَقِمِ الصَّلاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ"[1] "آپ زوال آفتاب سے رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں۔"

لیکن تمام مسلمان صبح کی نماز دو رکعت، مغرب کی تین رکعت، نماز ظہر و عصر اور عشاء کو چار رکعت پڑھتے ہیں جبکہ تمام مسلمانوں کا یہ اتفاق ہے کہ ان رکعتوں کی یہ تعداد قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں نے اسے پیغمبر اسلامؐ سے سیکھا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے اسے کہاں سے لیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوند عالم سے جیسا کہ ان کے بارے میں خداوند عالم نے یہ ارشاد فرمایا ہے: "وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"[2] "اور وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا ہے اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔

---

[1] سورۂ اسراء، آیت ۷۸

[2] سورۂ نجم، آیت ۴

یا قرآن مجید میں آپؐ سے یہ خطاب ہے: "وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ"[1] "اور آپ کی طرف بھی "ذکر" (قرآن) کو نازل کیا ہے۔

یا اس قسم کی دوسری آیتیں بھی ہیں جن کے مخاطب صرف اور صرف پیغمبر اکرمؐ ہیں اور وہ ہمارے لئے نہیں ہیں جیسے "کٓھٰیٰعٓصٓ، الٓمٓ، حٰمٓ"

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید جس مقدار میں بھی نازل ہوتا تھا پیغمبر اکرم ﷺ لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت "بیان" فرما دیتے تھے۔ آنحضرتؐ کے اس بیان (وضاحت) کو حدیث پیغمبرؐ کہا جاتا ہے۔

اس دوسری وحی کو ہم "وحی" بیانی کہتے ہیں جو پہلی وحی یعنی قرآن مجید کے ساتھ نازل ہوئی ہے مثلاً غدیر خم میں یہ آیت: "یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔۔۔"[2] "اے پیغمبر! آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔" نازل ہوئی۔

---

[1] سورۂ نحل، آیت ۴۴

[2] سورۂ مائدہ، آیت ۶۷

اس وحی قرآنی کے ساتھ یہ وحی بیانی بھی آئی ہے: "فی علی" یعنی "یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ فِیْ عَلِیٍّ"[1] "اے پیغمبر! آپ کے اوپر جو کچھ علیؑ کے بارے میں نازل کیا جا چکا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجئے۔

لہٰذا "فی عَلِی" حدیث پیغمبر ہے جس کی بنیاد اور سرچشمہ پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی "وحی بیانی" ہے۔ اسی طرح نماز کی رکعتوں کی تعداد بھی معین ہوئی ہے اور یہ وحی بیانی ہی پیغمبر اکرمؐ کی حدیث کا سرچشمہ ہے۔ مختصر یہ کہ حدیث پیغمبر اکرمؐ کی بنیاد بھی "وحی خدا" ہی ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: "وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی"[2] "اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا ہے اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔"

یہی محکم انداز اس ارشاد الٰہی کا ہے:

"لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ"[3]

"اور اگر یہ پیغمبر ہماری طرف سے کوئی بات گڑھ لیتا تو ہم اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتے اور پھر اس کی گردن اُڑا دیتے پھر تم میں سے کوئی مجھے روکنے والا نہ ہوتا۔"

---

[1] بحار الانوار، ج ۳۷، ص ۱۵۵ و ۱۸۹

[2] سورۂ نجم، آیت ۳ و ۴

[3] سورۂ حاقہ، آیت ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷

پیغمبر اکرم ﷺ کے اوپر جو وحی بیانی نازل ہوتی تھی اس میں معاویہ ویزید جیسے ارباب سیاست وحکومت اور اہل زور وزر کی مرضی کے برخلاف مسائل بیان کر دیئے جاتے تھے جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ"

"اور قرآن کریم میں قابل لعنت شجرہ بھی ایسا ہی ہے۔"

اگر آپ اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں تو دیکھیں گے کہ مفسرین نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ اس قابل لعنت شجرہ سے "بنی امیہ" مراد ہیں جن کے درمیان وہ یزید بھی تھا جس نے پیغمبر اکرم ﷺ کی ذریت کا قتل عام کیا، ان کی بیٹیوں کو اسیر کر لیا، وہ یزید جس نے مدینہ کو تین دن تک اپنے سپاہیوں پر یوں مباح کر دیا کہ جس کا جو دل چاہا اس نے کیا اور مسجد پیغمبرؐ میں اصحاب پیغمبرؐ کا خون بہایا، وہی یزید کہ جس کے فوجی کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز بھی پڑھتے تھے اور پھر اسی کعبہ پر منجنیق[1] سے پتھر برساتے تھے اور یہ کہتے تھے: "اِجْتَنَبَتِ الطَّاعَةُ وَالْحُرْمَةُ۔۔۔۔"[2]

---

[1] منجنیق: ایک ایسے آلہ (مشین) کا نام ہے جس سے بڑے بڑے پتھر یا کپڑے وغیرہ کے جلتے ہوئے گولے دشمن کی فوج یا قلعوں کے اوپر پھینکے جاتے تھے اور اس سے عمارت منہدم ہو جاتی تھی یا اس میں آگ لگ جاتی تھی۔ (پرانے زمانہ کی توپ)

[2] تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۲۵۱ و ۲۵۲ نیز دیکھئے: تاریخ طبری، ج۲، ص۳۱۸، مترجم سید علی حیدر طباطبائی، ناشر حافظی بک ڈپو، دیوبند

"خلیفہ کی اطاعت اور خانۂ خدا کی حرمت کے ٹکراؤ کا معاملہ ہے لہٰذا خلیفہ کے حکم کی اطاعت خانۂ خدا کی حرمت پر فوقیت رکھتی ہے۔"

لہٰذا اگر قرآن مجید کے اندر کچھ ایسی باتیں موجود ہوتیں جو یزید کی سیاست اور حکومت کے مخالف تھیں تو یزید بھی وہی کام کرتا جو پرانے شہنشاہوں نے کیا تھا اور اس طرح قرآن مجید میں تحریف ہو جاتی، اس کی آیتوں کی توہین کی جاتی، انہیں مخفی کر دیا جاتا اور اس کے بعد قرآن مجید کی کوئی (شرعی) اہمیت نہ رہ جاتی اسی لئے خداوند عالم نے یہ ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ"[1] "بیشک ہم نے قرآن مجید نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ بھی ہیں۔"

چنانچہ یہ آسمانی کتاب جس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لوگوں کی ہدایت اور ایک حجتِ خدا کے طور پر باقی رہنا تھا اس کو ہر طرح کی تحریف سے اس طرح بچایا گیا کہ جو کچھ بھی صریحی طور پر خلفاء اور اہل زور وزر کے خلاف تھا اسے قرآن مجید میں ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اسے حدیث پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ لوگوں کے گوش گذار کر دیا گیا۔

---

[1] سورۂ حجر، آیت ۹

سورۂ تحریم میں پیغمبر اکرم ﷺ کی دو ازواج (حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ)[1] سے یوں خطاب ہے: "اِنْ تَتُوبَا اِلَی اللهِ فَقَدْ۔۔۔"[2] "اب تم دونوں توبہ کرو کہ تمہارے دلوں میں کجی پیدا ہو گئی ہے ورنہ اگر اس کے خلاف اتفاق کروگی تو یاد رکھنا کہ خداوند عالم اس کا سرپرست ہے اور جبرئیل اور نیک مومنین اور ملائکہ سب اس کے مددگار ہیں۔" یہاں پر "نیک مومنین" سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔[3]

اسی سورہ کے آخر میں پروردگار عالم نے ایک واقعہ کے بارے میں یہ مثال دی ہے: "ضَرَبَ اللهُ مَثَلاً۔۔۔"[4] "خدا نے کفر اختیار کرنے والوں کے لئے زوجہ نوحؑ اور زوجہ لوطؑ کی مثال بیان کی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ کی ان دونوں ازواج (عائشہ و حفصہ) نے آپ کے گھر آخر ایسا کونسا کام کیا تھا کہ اتنے تند لہجہ میں آیتیں نازل ہو گئیں؟[5]

---

[1] تفسیر طبری، ج۲۸، ص۱۰۴؛ صحیح بخاری، ج۳، ص۱۳۷ و ۱۳۸، ج۴، ص۲۲؛ صحیح مسلم، کتاب طلاق، ج۲، ص۱۱۰۸، ۱۱۱۱، حدیث ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴؛ مسند احمد، ج۱، ص۴۸

[2] سورۂ تحریم، آیت ۴

[3] تفسیر در منثور، ج۶، ص۲۴۴

[4] سورۂ تحریم، آیت ۱۰

[5] ہماری کتاب "سقیفہ" میں اس کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اس سے پیغمبر اکرم ﷺ کے گھر کے اندرونی حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعہ عقبہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کے اونٹ کو بھڑکا کر دَرّے میں گرانے سے اس کا کوئی تعلق ہے یا نہیں؟

ابن حزم جو مکتب خلفاء کے بزرگ علماء میں سے ہیں انہوں نے اپنی کتاب "المحلّٰی" میں پیغمبر اکرم ﷺ کا اونٹ بھڑکانے والوں کی فہرست میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور حضرت عثمان کا نام بھی لکھا ہے۔

یہ تمام واقعات حدیث میں ذکر ہوئے ہیں اور قرآن مجید میں ان کا تذکرہ اسی لئے نہیں کیا گیا تاکہ قرآن مجید محفوظ رہ جائے اسی طرح پیغمبرؐ کی زندگی کے اور بھی ایسے متعدد واقعات ہیں کہ اگر انہیں قرآن مجید میں ذکر کر دیا جاتا تو قرآن تحریف سے نہیں بچ سکتا تھا۔

مختصر یہ کہ خداوند عالم نے قرآن مجید کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ کی شریعت کو (میرے الفاظ میں) دو وحی کے ذریعہ نازل کیا ہے:

الف: وحی قرآنی

ب: وحی بیانی

یہ دونوں طرح کی وحی خداوند عالم نے نازل فرمائی ہیں۔

اس سے ہم بعض حدیثوں کے معنی بھی بآسانی سمجھ سکتے ہیں مثلاً یہ کہ "وحی میں حضرت علیؑ کا نام بھی تھا" اس سے کیا مراد ہے؟ جیسا کہ اس آیت: "اے رسول!

اس چیز کو پہنچا دیجئے جو آپ کے اوپر نازل کی جا چکی ہے علیؑ کے بارے میں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اپنی رسالت کو نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔" میں "فی عَلِی" (علیؑ کے بارے میں) والا جملہ خداوند عالم کی طرف سے وحی بیانی کی شکل میں نازل ہوا ہے۔

مرحوم حاجی نوری کی ایک کتاب کا نام "فصلُ الخطاب فی تحریف کتاب ربِّ الارباب" ہے اور مولوی احسان الٰہی ظہیر (پاکستان کے سنی عالم) نے ایک کتاب تحریر کی ہے جس کا نام "الشیعة و القرآن" ہے۔

حاجی نوری نے اپنی کتاب میں پہلے باب سے دسویں باب تک مکتب خلفاء کی وہ تمام روایتیں جمع کر دی ہیں جن سے وہ یہ استفادہ کر سکتے تھے کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے اور اس کے گیارہویں اور بارہویں باب میں اسی قسم کی روایتیں مکتب اہل بیتؑ سے نقل کی ہیں۔

مولوی احسان الٰہی ظہیر نے اپنی کتاب "الشیعة و القرآن" میں صرف انہی روایتوں کو نقل کیا ہے جو حاجی نوری نے مکتب اہل بیتؑ سے نقل کی تھیں اور جو روایتیں مکتب خلفاء سے ذکر کی تھیں انہیں بالکل گول کر دیا ہے چنانچہ آج تک پاکستان میں وہابیوں کے ہاتھوں شیعوں کے مسلسل خون خرابے اور قتل عام کی اہم بنیاد یہی دونوں کتابیں ہیں۔

میں نے مولوی احسان الٰہی ظہیر اور حاجی نوری مرحوم کے جواب میں ایک تین جلدی کتاب تحریر کی ہے جس کی پہلی جلد کا نام "بحوث تمهيدية" (ابتدائی گفتگو) ہے اور اس میں قرآن مجید کے ان الفاظ اور اصطلاحات کی وضاحت کی ہے جو اَب ہمارے درمیان رائج نہیں رہے اور جب تک ہم ان کو اچھی طرح نہیں سمجھیں گے اُس آیت یا روایت کے معنی کو بھی بخوبی نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ جس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

دوسری جلد میں آٹھ سو صفحات کے اندر ان تمام حدیثوں کی چھان بین کر کے ان کا جواب دیا گیا ہے جو مکتب خلفاء میں تحریفِ قرآن کے بارے میں موجود ہیں۔

تیسری جلد "القرآن الکریم و روایات مدرسة اهل بيت عليهم السلام" ہے جس میں وہ تمام روایتیں ذکر کی گئی ہیں جنہیں حاجی نوری مرحوم نے مکتب اہل بیتؑ کی کتابوں سے نقل کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ معاذ اللہ قرآن مجید میں تحریف یا کمی اور زیادتی ہوئی ہے، اس جلد میں ان تمام روایتوں کی سند اور مضمون کی چھان بین کر کے الحمد للہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر حدیث کے اندر کونسا نقص اور عیب پایا جاتا ہے اور حدیث کے مضمون کے صحیح معنی کیا ہیں؟

اس میں یہ بھی واضح کیا ہے کہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان روایات میں موجود قرآنی اصطلاحات کو صحیح طریقہ سے نہیں سمجھا گیا۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ حدیث کی سند صحیح نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ شریعتِ اسلامیہ دو "وحیوں" کے ذریعہ نازل ہوئی ہے: ۱۔وحی قرآنی، ۲۔وحی بیانی لہٰذا ہم وحی بیانی کے بغیر صرف وحی قرآنی کے سہارے پوری اسلامی شریعت (نماز، روزہ، حج وغیرہ) سے واقف نہیں ہو سکتے نیز ختمی مرتبت ﷺ اور بقیہ انبیاء کی شریعتوں کے درمیان یہی فرق ہے کہ بقیہ تمام انبیاء کی پوری شریعت ان کی آسمانی کتاب میں ہی تحریر ہوتی تھی (اور ان کی آسمانی کتابوں میں تحریف ہو گئی ہے۔)

لیکن شریعت اسلامیہ (کو کیونکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہنا تھا لہٰذا اس) کے اصول آسمانی اور وحی قرآنی میں ہیں اور ان کی وضاحت و تفسیر پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیث ہے جس کا سرچشمہ "وحی بیانی" ہے۔

حدیث پیغمبر ﷺ کی تاریخ

اب ذرا یہ چھان بین کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد حدیثوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا؟ کیا ان لوگوں نے بھی وہی رویہ اپنایا جو گذشتہ امتوں کے اہل زور و زر نے اپنی آسمانی کتابوں کے ساتھ سلوک کیا تھا؟

اس امت کے سلاطین اور اہل طاقت و اقتدار یعنی خلفاء کے مزاج اور ان کی ہوا و ہوس کے خلاف جو بھی حدیث پیغمبر تھی انہوں نے اس حدیث پیغمبر اکرمؐ کو بالکل برداشت نہیں کیا اور وہ اس کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اگر ہم اس بارے میں اپنی معلومات کے مطابق تمام کتابوں سے شواہد پیش کرنا چاہیں تو اس کے لئے کئی جلدیں درکار ہوں گی لہٰذا اس کے صرف چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں:[1]

[1] اس بارے میں موکف کی کتب "احادیث ام المومنین عائشہ" کی دو جلدیں، عبد اللہ بن سبا ۲ جلدیں اور "ایک سو پچاس جعلی صحابی" ۳ جلدیں ملاحظہ فرمائیے۔

الف: مسند احمد، سنن دارمی اور بعض دوسری کتابوں میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کی گئی ہے کہ ان کا بیان ہے: قریش (یعنی مہاجرین) نے مجھ سے یہ کہا:

تم جو کچھ بھی رسول اللہ سے سنتے ہو اُسے لکھ لیتے ہو جبکہ رسول اللہ ایک انسان ہیں اور وہ غصہ یا خوشی ہر حال میں گفتگو کیا کرتے ہیں۔۔۔[1]

یعنی ایک جگہ پیغمبر اکرم ﷺ جناب ابوذر سے خوش ہوگئے تو آپؐ نے ان کے بارے میں فرمایا:

"سبز آسمان نے ابوذر سے زیادہ سچے انسان پر سایہ نہیں کیا اور خاکی زمین نے اپنے اوپر ابوذر سے زیادہ سچے انسان کا بوجھ نہیں اٹھایا۔"[2]

دوسری جگہ جناب عمار سے خوش ہوگئے تو یہ فرمادیا:

"عمار مع الحق" عمار ہمیشہ حق کے ساتھ اور حق کے پہلو میں ہیں۔

ایک جگہ پیغمبر اکرم ﷺ حکم بن ابی العاص سے کچھ ناراض ہوگئے تو اس پر لعنت کردی!! بھلا یہ کیا طریقہ ہے کہ تم ہر بات لکھ لیتے ہو؟

---

[1] سنن ابوداؤد، ج۲، ص۱۷۶؛ مستدرک حاکم، ج۱، ص۱۰۶؛ سنن ابن ماجہ، ج۳، ص۱۱۷؛ کتاب العلم، مترجم علامہ وحید الزماں، ناشر اشرفی بک ڈپو، دہلی

[2] مسند احمد، ج۵، ص۱۹۷؛ مستدرک حاکم، ج۳، ص۳۴۲ و ۳۴۴

لہٰذا قریش پیغمبرؐ کے دور میں بھی صحابہ کو حدیث پیغمبرؐ لکھنے سے منع کرتے تھے۔[1]

عبد اللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ قریش کا یہ اعتراض میں نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: "لکھتے رہو اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے میرے منہ سے حق بات کے علاوہ کچھ نکلتا ہی نہیں ہے۔"[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث پیغمبر اکرم ﷺ کی نشر واشاعت پر پابندی کا سلسلہ خود آنحضرتؐ کے دَور سے ہی شروع ہوگیا تھا۔

ب: پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: "مجھے ایک دوات اور کاغذ لادو تاکہ تمہارے لئے ایک ایسا وصیت نامہ لکھ دوں کہ جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔"[3]

واقعاً یہ بھی عجیب اتفاق ہے جس کا سامنا کسی اور پیغمبر کو نہیں کرنا پڑا کہ حضرت عمر نے وہیں یہ نعرہ بلند کردیا جو ۱۳۳۱ سال تک باقی رہا:[1] "ہمارے لئے تو کتاب خدا کافی ہے۔"[2]

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: رسالہ علوم حدیث، شمارہ۵، ص۸، مضمون: منع تدوین حدیث

[2] سنن ابوداؤد، ج۲، ص۱۷۶؛ مستدرک حاکم، ج۱، ص۱۰۶

[3] بخاری، ج۱، ص۵۴؛ مسند احمد، ج۱، ص۳۵۵؛ صحیح مسلم، ج۲، ص۴۹، ناشر کتب خانہ اشاعت الاسلام، چوڑی والان، دہلی۔ الفاظ کی مختصر تبدیلی کے ساتھ صحیح بخاری، ج۲، ص۷۶۰؛ کتاب المغازی، مترجم علامہ وحید الزماں، ناشر اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی

پیغمبر ﷺ کے اس مطالبہ کے بعد اصحاب کے درمیان شور وغل ہونے لگا، کچھ لوگ اٹھنے لگے تاکہ قلم اور دوات لاکر دے دیں۔ حضرت عمر نے جیسے ہی دیکھا کہ یہ تو ابھی لاکر دے دیں گے اور جو کچھ پیغمبرؐ چاہتے ہیں وہ دامن قرطاس پر تحریر ہو جائے گا لہٰذا انہوں نے کہا: "یہ شخص ہذیان کہہ رہا ہے۔"[3]

یہ بھی حدیث پیغمبرؐ کے خلاف ایک قسم کی جنگ تھی!!

بعض حاضر صحابہ نے کہا: "چلیں لے کر آتے ہیں۔"

پیغمبرؐ نے فرمایا: "اب اتنے (جنجال کے) بعد؟ اب اتنی سب باتوں کے بعد؟!

جو شخص پیغمبر اکرم ﷺ کے منہ پر آپ کے سامنے یہ کہہ دے "وہ ہذیان کہہ رہے ہیں" (معاذ اللہ) تو وہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد بھی ایسے تین چار گواہ تیار کر سکتا ہے جو اس کی ہر غلط بات کی گواہی دے سکیں۔

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت عمر نے کہا: "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" (ہمارے لئے تو کتاب خدا کافی ہے۔)

---

[1] کیونکہ سنہ ۱۴۳ ہجری میں ابو جعفر منصور کے حکم سے حدیث نویسی کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

[2] صحیح بخاری، ج۷، ص۹

[3] (الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ) صحیح بخاری، ج۲، ص۷۶۰؛ کتاب المغازی، مترجم علامہ وحید الزماں، ناشر اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۱۶؛ مسند احمد، ج۱، ص۳۵۵؛ تاریخ طبری، ج۳، ص۱۹۳؛ کامل ابن اثیر، ج۲، ص۳۲۰

نیز بعض صحابہ قلم اور کاغذ لانا چاہتے تھے تاکہ وصیت نامہ لکھ دیا جائے۔ اس جگہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حاضرین میں سے کسی نے یہ کہا: "ان الرّجل لیھجر" اور یہ طے ہے کہ جو شخص پیغمبرؐ کا وصیت نامہ لکھنے کا مخالف تھا اور جس نے یہ بات کہی تھی وہ حضرت عمر تھے اور ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا!!

لہٰذا تاکہ بعد میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پیغمبرؐ نے یہ سب حالت احتضار میں کہا تھا اور آپ ہذیان کہہ رہے تھے اور آپ نے ایسی کوئی بات نہ کہی ہے اور نہ ہی لکھی ہے اس لئے آپؐ نے یہ فرمادیا: "تم لوگ میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ، کسی نبی کے پاس تنازعہ (اختلاف کرنا) صحیح نہیں ہے۔"[1]

واقعاً کتنی تکلیف دہ بات ہے؛ خلیفۂ اول کے حالات میں ذہبی نے تذکرۂ حفاظ میں یہ تحریر کیا ہے کہ جب پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی تو انہوں نے کہا: "پیغمبرؐ سے کوئی حدیث نقل نہ کرو جب کوئی تم سے پوچھے تو کہہ دو ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب خدا موجود ہے، جو کچھ اس نے حلال قرار دے دیا ہے اسی کو حلال سمجھو اور جسے اس نے حرام کر دیا ہے اسے حرام سمجھو۔"[2]

---

[1] صحیح بخاری، باب جوائز الوفود من کتاب الجہاد، ج۲، ص۱۲۰، ج۲، ص۱۳۶؛ صحیح مسلم، ج۵، ص۷۵؛ مسند احمد، تحقیق احمد شاکر، حدیث ۱۹۵؛ طبقات ابن سعد، ج۲، ص۲۴۴؛ طبری، ج۳، ص۱۹۳

[2] تذکرۂ حفاظ، ج۱، ص۵

یہ مکتب خلفاء کی سیاست تھی، ان کے پاس اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا کیونکہ اگر پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیث رہ جاتی تو وہ خلافت کیسے کر سکتے تھے؟ لہٰذا اس کام کے لئے انہیں حدیث کی نشر واشاعت پر روک لگانا پڑی۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے:

جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ جسے بھی اس کی تعلیم دیتے تھے تو اس آیت کی جو وضاحت بھی خداوند عالم کی طرف سے نازل ہوتی تھی آپؐ اس کو وہ بھی تعلیم دے دیتے تھے اور اس طرح تبلیغ کو ہر لحاظ سے کامل فرما دیتے تھے اور آپ کی تبلیغ کسی اعتبار سے ناقص نہیں ہوتی تھی، اگر آپؐ فرماتے تھے: "اَقِمِ الصَّلاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ"[1] "آپ زوال آفتاب سے رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں۔"

یہ حکم، وحی قرآنی کے ذریعہ نازل ہوا ہے۔ اس وحی قرآنی کے ساتھ جبرئیل یہ بھی بیان کرتے تھے کہ نماز قائم کرنے کا طریقہ یہ ہے۔

یہ نظریہ ان اہم نظریوں میں سے ایک ہے جن سے حدیث شناسی کی بے شمار گتھیاں سلجھانے میں مدد ملتی ہے۔

---

[1] سورۂ اسراء، آیت ۷۸

ابن مسعود کہتے ہیں: "میں نے پیغمبر اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے ستر سورے سیکھے ہیں۔ "مثلاً جس وقت یہ آیت "وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ" نازل ہوئی تو پیغمبر اکرمؐ نے ان سے یہ فرمادیا تھا کہ اس سے بنی امیہ مراد ہیں۔

اسی طرح صحابہ کے مصاحف ان تشریحات اور وضاحتوں کے ساتھ لکھے گئے تھے جنہیں وہ پیغمبر اکرمؐ کی زبان مبارک سے کسی بھی آیت کی تفسیر کے بارے میں سنتے تھے۔

ابن مسعود نے پیغمبر اکرم ﷺ سے آیتوں کی وضاحت کے بارے میں کچھ سنا تھا وہ سب لکھ رکھا تھا اسی طرح دوسرے صحابہ نے بھی اپنے اپنے مصاحف میں دوسرے سوروں کے بارے میں جو کچھ پیغمبرؐ سے سن رکھا تھا اسے لکھ رکھا تھا۔

مسند احمد میں تحریر ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ مسجد کے اندر ہمیں دس دس آیتوں کی تعلیم دیتے تھے اور اس وقت تک دس سے آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ہم اس کے بارے میں علمی اور عملی اعتبار سے سب کچھ نہیں جان لیتے تھے۔[1]

---

[1] مسند احمد، ج۵، ص۴۱۰؛ تفسیر طبری، ج۱، ص۷۲؛ کنز العمال، ج۲، ص۳۴۶؛ بحار الانوار، ج۹۲، ص۱۰۶۔ مزید معلومات کے لئے ملاحظہ فرمایئے: القرآن الکریم و روایات المدرستین، تالیف سید مرتضیٰ عسکری، ج۱، ص۱۵۷

مثلاً اگر کسی پیغمبر کا کوئی تذکرہ ہوتا تھا تو پیغمبر اکرمؐ اس کا قصہ بیان فرما دیتے تھے یا اگر قیامت کے بارے میں کوئی آیت ہوتی تھی تو آپؐ یہ بیان کرتے تھے کہ قیامت کیسا دن ہے؟ اگر کوئی شرعی حکم جیسے نماز، روزہ یا وضو اور تیمّم کا مسئلہ ہوتا تھا تو اس کو عملی طور پر کرکے دکھاتے تھے مختصر یہ کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے جس آیتِ قرآن کی بھی تبلیغ کی ہے اس کے ساتھ وحی بیانی کو بھی پیش کیا ہے اور ان دونوں کو ایک ساتھ امت کے حوالہ کیا ہے۔

وحی بیانی ہمارے لئے پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیث ہے، پیغمبر اکرمؐ کی یہی وحی بیانی خلفاء کی سیاست کے سراسر خلاف تھی؛ مثال کے طور پر یہ آیت: "اے ایمان لانے والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے زیادہ بلند نہ کرو۔"

اس کے بارے میں صحیح بخاری میں آیا ہے کہ اس سے ابوبکر اور عمر مراد ہیں۔[1]

یہ طے ہے کہ خلفاء کی سیاست کے ساتھ اس کا تال میل کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا ایسے دو نہیں بلکہ بکثرت نمونے موجود ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی زندگی میں قرآن مجید کے نسخے دو طرح کے تھے:

ایک تو وہ نسخے کہ صحابہ جو کچھ سنتے تھے چاہے وہ قرآن ہو یا تفسیر اسے اپنے اعتبار سے اس میں لکھ لیتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری، مطبوعہ بغداد، ج ۴، ص ۴۱۰۹، ج ۶، ص ۶۸۷۲۔ آیت کی شان نزول کے ذیل میں "یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَکُمْ۔۔۔" سورۂ حجرات، آیت ۲

دوسرے وہ کہ جسے پیغمبر اکرم ﷺ اپنے حکم سے لکھواتے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ پیغمبر اکرمؐ پر جو کچھ بھی نازل ہوتا تھا اور اس وقت آپ کی دسترس میں جو بھی کاتب (لکھنے والا) ہوتا تھا آپؐ اسے طلب فرماتے تھے اور اس وقت اس کے پاس جو چیز ہوتی تھی (جیسے تختی، کاغذ، کھال وغیرہ) وہ اسے اس پر لکھ دیتا تھا۔

میں نے تاریخ میں وحی لکھنے والے ۲۹/افراد کا تذکرہ دیکھا ہے۔ البتہ ایسا نہیں ہے کہ یہ سب پیغمبرؐ کے خاص کاتب رہے ہوں بلکہ کاتب پیغمبرؐ حضرت علیؑ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا بلکہ یہ وہ لوگ تھے کہ ان میں سے جو کوئی بھی وقت پر حاضر ہوتا تھا حضورؐ اس کو لکھنے کے لئے طلب کر لیتے تھے۔

وحی الٰہی کبھی تختی یا کاغذ کے اوپر لکھی جاتی تھی اور کبھی گوسفند، گائے یا اونٹ کے بازو کی ہڈی یا کھال کے اوپر اور یہ سارے نوشتے پیغمبر اکرمؐ کے گھر میں موجود تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب میرے کفن اور دفن سے فراغت حاصل کر لینا تو ان کو جمع کر دینا۔[1]

ان کو اس طرح جمع کیا گیا کہ حضرت امیر علیہ السلام تختیوں اور کھالوں کے اندر سوراخ کرکے ان کے اندر ایک دھاگہ پروتے جاتے تھے۔ آپ نے یہ کام بدھ کی صبح کو

---

[1] بحار الانوار، ج ۹۲، ص ۴۸ و ۵۲ بحوالہ تفسیر قمی، ص ۷۴۵؛ عمدۃ القاری، ج ۲۰، ص ۱۶؛ فتح الباری، ج ۱۰، ص ۳۸۶؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۴۱؛ اتقان سیوطی، ج ۱، ص ۵۹

شروع کیا (کیونکہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین شب چہار شنبہ کو تمام ہو گئی تھی) اور جمعہ کی صبح کو تمام کر لیا پھر قنبر کے ساتھ اس مصحف کو جس میں پورا قرآن اور مکمل وحی بیانی موجود تھی مسجد نبویؐ میں لے کر آئے۔

اگر ایسے مصاحف تک رسائی ممکن ہوئی تو پھر کسی بھی طرح یہ امکان نہیں تھا کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور معاویہ اور یزید جیسے لوگ خلیفہ ہو جاتے۔

لہٰذا خلفاء حضرت علیؑ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں یہ جواب دیا:

"ہمیں آپ کے جمع کئے ہوئے قرآن کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس قرآن موجود ہے۔"

وہ صحیح کہہ رہے تھے کیونکہ ان کے پاس قرآن (وحی قرآنی) موجود تھا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: "اب اس کے بعد اس قرآن کو نہیں دیکھ پاؤ گے۔"[1]

چنانچہ وہ قرآن اس وقت حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے پاس موجود ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کے بارے میں ہماری حدیثوں میں آیا ہے کہ جب آپؑ ظہور فرمائیں گے تو اس کتاب کو اپنے اصحاب (جو ایرانی ہوں گے) کو دیں گے

[1] مقدمہ تفسیر شہرستانی، ص۱۵

تاکہ وہ مسجد کوفہ میں اس کا درس دیں۔ (توجہ رہے کہ شیخ طوسیؒ کے زمانہ سے لے کر آج تک نجف کے علماء و فقہاء اکثر ایرانی ہی رہے ہیں۔)

ہماری روایات میں جو یہ تذکرہ ہے کہ حضرت ایک نئی کتاب لے کر آئیں گے، وہ یہی کتاب ہے؛ اب یہ دیکھنا ہے کہ حدیث پیغمبرؐ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے؟

ابوبکر نے حکم دیا کہ قرآن کو وحی بیانی کے بغیر لکھا جائے اور یہ کام ان کے زمانہ میں شروع ہو گیا اور حضرت عمر کے دور میں ختم ہوا۔ حضرت عمر نے وہ قرآن حفصہ ام المومنین کے پاس رکھوا دیا اور اس کے بعد حدیث پیغمبرؐ کی نشر و اشاعت پر پابندی لگا دی۔[1]

[1] مصاحف، ج۱، ص۹؛ کنز العمال، ج۲، ص۳۶۲ و ۳۶۳؛ مسند احمد، ج۲، ص۴۴؛ فتح الباری، ج۱۰، ص۳۹۰، حاشیہ منتخب کنز العمال

خلیفۂ دوم نے حدیث پیغمبرؐ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

پہلے: حدیث پیغمبرؐ کے نقل کرنے پر پابندی

مثال کے طور پر تین صحابۂ پیغمبرؐ (یعنی عبد اللہ بن مسعود، ابودرداء اور ابو مسعود انصاری) جو خلیفہ کی مرضی کے برخلاف مدینہ سے باہر حدیث نقل کیا کرتے تھے، انہیں مدینہ بلایا اور ان کے اوپر اس شہر سے باہر نکلنے پر پابندی لگادی اور اپنی زندگی کے آخر تک انہیں مدینہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی۔[1]

سنن ابن ماجہ کے مقدمہ میں ہے:

---

[1] تذکرۂ حفاظ، مؤلفہ ذہبی، ج۱، ص۷؛ شرف اصحاب الحدیث، مولفہ خطیب بغدادی، ص۸۷؛ تاریخ ابن عساکر، تحقیق سکینہ شہابی، ج۳۱، ص۲۸۰

قرظہ بن کعب[1] کا بیان ہے: عمر نے کوفہ میں حکومتی کاموں کے لئے ہمارا تقرر کیا اور مدینہ کے باہر تک ہمیں چھوڑنے آئے اور کہا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں یہاں تک تمہیں کیوں چھوڑنے آیا ہوں؟"

ہم نے کہا: "کیونکہ ہم پیغمبرؐ کے صحابی ہیں۔"

کہا: "وَ اِنَّ مَعَ ذَالِكَ لَحَاجَةً انَّكُم تَاْتُونَ اَهْلَ قَرْيَةٍ لَهُمْ دَوِيٌّ بِالقرآنِ كَدَوِيِّ النَّحلِ لَا تَشْغَلُوهم بِحَدِيثِ رَسُولِ اللهِ" "اس کے علاوہ مجھے ایک کام بھی ہے اور وہ یہ کہ آپ حضرات اس شہر میں جارہے ہیں جہاں کے لوگوں کے یہاں سے قرآن کی آواز اس طرح آتی ہے جیسے شہد کے چھتے سے شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی آوازیں آتی ہیں لہٰذا انہیں پیغمبرؐ کی حدیث میں مصروف نہ کردینا۔"[2]

---

[1] قرظہ بن کعب انصاری خزرجی پیغمبر اکرم ﷺ کے صحابی تھے، غزوۂ احد اور اس کے بعد والے غزوات میں شریک رہے، یہ ان دس لوگوں میں شامل تھے جنہیں خلیفہ دوم نے اپنی خلافت کے دور میں عمار یاسر کے ساتھ کوفہ بھیجا تھا۔ سنہ ۲۳ ہجری کی جس جنگ میں شہر رے فتح ہوا یہ اس میں شریک تھے، جب امیر المومنینؑ جنگ جمل کے لئے کوفہ سے بصرہ گئے تو انہیں کوفہ کا گورنر معین فرمایا اور آخرکار امیر المومنینؑ کی حکومت کے دوران اس دنیا سے رخصت ہوئے، دیکھئے اسد الغابہ، ج۴، ص۲۰۳

[2] سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۴۹، مترجم علامہ وحید الزماں، ناشر اشرفی بک ڈپو، دہلی ۱۱۰۰۹۲

لکھا ہے کہ جب کبھی قرظہ سے پیغمبرؐ کی حدیث دریافت کی جاتی تھی تو کہتے تھے:
"عمر نے ہمیں منع کر رکھا ہے۔"[1]

حضرت عمر کے یہاں اس پر روک لگانے کے بارے میں (جیساکہ میں نے اپنی کتاب معالم المدرستین کی پہلی اور دوسری جلد میں لکھا ہے اور تاریخ طبری میں حضرت عمر کے حالات میں بھی درج ہے) اس حد تک شدت پائی جاتی تھی کہ ابو حصین کا بیان ہے کہ عمر جسے بھی گورنر بنا کر بھیجتے تھے تو مدینہ کے باہر تک اس کے ساتھ جاتے تھے اور اسے یہ تاکید کرتے تھے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیث نقل نہ کرنا اور کہتے تھے کہ میں اس کام کے ثواب میں تمہارا شریک ہوں۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم، ج۱، ص ۱۰۲

[2] تاریخ طبری، مطبوعہ یورپ، ج۵، ص ۲۷۴۱

دوسرے: قرآن کے بارے میں سوال پر پابندی

مدینہ میں حضرت عمر نے صرف چند لوگوں کو ہی حدیث نقل کرنے کی چھوٹ دی تھی جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ام المومنین عائشہ[1]

۲۔ کعب الاحبار یہودی

یہ وہی شخص ہے کہ جب بیت المقدس فتح ہوا تو یمن سے مدینہ آیا اور اسلام کا اظہار کیا۔ وہاں سے بیت المقدس جانا چاہتا تھا مگر خلیفۂ دوم نے اسے مدینہ میں ہی روک لیا اور دربار خلافت کا سرکاری مقرر بنا دیا۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد، ج۸، ص ۳۷۵۔ اسی طرح ملاحظہ فرمائے "احادیث ام المومنین عائشہ" جلد دوم جس کی ابتداء میں راقم الحروف نے یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخ اسلام میں کسی نے بھی ام المومنین عائشہ سے زیادہ رسول اکرم ﷺ کی طرف جھوٹی نسبتیں نہیں دی ہیں، ان کے علاوہ کسی اور نے اتنی بے بنیاد اور خلاف واقع باتیں نہیں کہی ہیں اور یہ بڑے ہی افسوس کا مقام ہے کہ مکتب اہل بیتؑ کے ماننے والوں کے علاوہ تمام حضرات سیرت پیغمبرؐ کو حضرت عائشہ کی احادیث سے ہی اخذ کرتے ہیں۔ تاریخ طبری، ج۳، ص ۲۴۳، مترجم سید محمد ابراہیم، ام اے ندوی وحبیب الرحمٰن صدیقی، فاضل دیوبند یوپی، ناشر حافظی بک ڈپو، دیوبند، یوپی

[2] ابو اسحاق کعب بن ماتع ملقب بہ کعب الاحبار یا کعب الحبر اصل میں یہودی تھا اور یہودیوں کے بڑے علماء میں شمار ہوتا تھا۔ (تاریخ ابن سعد، ج۷، ص ۱۵۶) یہ پہلے یمن میں تھا، وہیں

کعب الاحبار کی یہ پوری کوشش تھی کہ یہودی افکار کو مسلمانوں کے درمیان اچھی طرح رائج کردے جس میں اسے کافی حد تک کامیابی بھی ملی جیسے اہل کتاب یا ان کے قبلہ بیت المقدس، اسی طرح قرآن کریم کی آیتوں کی تفسیر کے بارے میں اس کی جھوٹی اور من گھڑت باتیں، تفسیر، حدیث اور اسلامی تاریخ کی کتابوں جیسے تفسیر طبری، تفسیر در منثور، سیوطی، تفسیر قرطبی اور تاریخ ابن کثیر وغیرہ میں داخل ہوگئیں۔ کعب نے یہودیت کے ترویج کے لئے اپنے مخصوص شاگرد بھی تیار کئے تھے جن میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص اور ابوہریرہ دوسی بھی شامل ہیں۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور معاویہ نے کعب کی کتابوں کی خوب نشر واشاعت کی اور اسی مقصد کے تحت یہ لوگ اس سے مخلوقات کی ابتداء، قیامت اور تفسیر قرآن کے بارے میں مسلسل سوالات کیا کرتے تھے۔ آخرکار سنہ ۳۵ ہجری میں ۱۰۴ سال کی عمر میں کعب الاحبار کا شام میں انتقال ہوگیا۔

خلیفۂ اول کے زمانہ میں اسلام قبول کیا، خلیفۂ دوم کی خلافت کے دور میں مدینہ آیا تاکہ وہاں سے بیت المقدس چلا جائے اور وہیں ساکن ہو جائے لیکن عمر کے اصرار پر مدینہ میں رک گیا۔ وہ اس دور کی توریت کو ہمیشہ "کتاب خدا" کہا کرتا تھا جبکہ اس وقت توریت میں تحریف ہو چکی تھی اور وہ خالص آسمانی کتاب نہیں رہ گئی تھی جس کی طرف قرآن مجید نے واضح طور پر متوجہ کیا ہے۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۷۵، ۱۵۹) عثمان کی حکومت کے دور میں جب ان کی حکومت کی صورتحال بگڑتی دیکھی تو کعب مدینہ سے شام پہنچ گیا اور وہاں معاویہ سے وابستہ ہوگیا۔

کعب الاحبار کے مزید حالات جاننے کے لئے "نقش ائمہ در احیاء دین" (دین کی حیات نو میں ائمہ کا کردار) جلد ۶، صفحہ ۱۰۳ و ۱۲۲ ملاحظہ فرمائیے۔

۳۔ تمیم داری[1]

---

[1] ابو رقیہ تمیم بن اوس بن خارجۃ الداری اصل میں عیسائی تھا، سنہ ۹ ہجری میں مدینہ آکر مسلمان ہوا۔ (صحیح مسلم، ج ۸، ص ۲۰۴) یہ اہل فلسطین کا راہب اور ان کا عابد تھا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج ۱، ص ۱۸۶، حالات زندگی نمبر ۸۲۷) اور توریت و انجیل کے علماء میں شمار ہوتا تھا۔ (تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۵۱۱، طباعت اول، حیدر آباد) صحیح بخاری (کتاب الوصایا، ج ۴، ص ۱۳، ۴، مطبوعہ عبد الحمید) کی روایت کے مطابق تمیم داری کے مسلمان ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ عدی بن بداء اور بنی سہم کے ایک شخص کے ساتھ تجارت کی غرض سے کہیں سفر پر گیا، اتفاق سے راستہ میں "سہمی" کا انتقال ہوگیا۔ اس نے اپنے انتقال سے پہلے اپنا تمام سرمایہ اور اثاثہ ان کے حوالہ کر دیا تاکہ یہ لوگ اسے اس کے گھر والوں تک پہنچا دیں اور اسی کے ساتھ اس نے انہیں بتائے بغیر اپنے پورے سامان کی فہرست بنا کر خاموشی سے اپنے سامان کے اندر چھپا دی مگر اس کے انتقال کے بعد ان دونوں کی نیت خراب ہو گئی اور انہوں نے اس کے سامان میں سے ایک چاندی کا جام نکال لیا جس پر سونے کا کام بنا ہوا تھا اور اس میں ۱۰۰۰ مثقال سونا بھی لگا ہوا تھا، جب اس کے ورثاء کو یہ راز معلوم ہوا تو ان دونوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر یہ قسم کھائی کہ ہمیں اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے آخرکار حقیقت کھل کر سامنے آگئی اور تمیم داری اور عدی بن بداء کی مذمت میں سورۂ مائدہ کی ۱۰۶ و ۱۰۷ ویں آیت نازل ہو گئی اور انہوں نے بھی اپنی خیانت کا اعتراف کر لیا۔ اس وقت پیغمبر اکرم ﷺ نے انہیں یہ حکم دیا کہ یہ دونوں

تمیم داری عیسائیوں کا ایک راہب تھا اور یہ نماز جمعہ سے پہلے سرکاری خطیب (مقرر) کے طور پر تقریر کیا کرتا تھا۔

خلیفۂ دوم کی خلافت کے دور میں تمیم داری پر ان کی خاص نظر کرم تھی اور حضرت عمر نے اسے "خیر اهل مدینة" مدینہ کا سب سے بہترین آدمی[1] اور بہترین مومن[2] کے لقب سے نوازا اور اسے یہ عہدہ دیا کہ ہر جمعہ کو نماز جمعہ سے پہلے سرکاری مقرر کے طور پر مدینہ کے مسلمانوں کے سامنے تقریر کیا کرے۔ عثمان کے دور حکومت میں تمیم داری کو ہفتہ میں دو دن تقریر کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔[3] خلیفۂ دوم نے تمیم داری کو اہل بدر سے ملحق کر دیا اور وہ ان کے ہم پلہ ہو گیا اور بیت المال سے اس کے لئے پانچ ہزار درہم معین کر دیئے گئے۔[4]

یا تو اس سہمی کے وارثوں کو وہی جام واپس کریں اور یا اس کی قیمت ادا کریں۔ اس کے بعد آپ نے تمیم سے فرمایا: "تجھ پر وائے ہو تو اسلام قبول کر لے تاکہ خدا تیرے گناہوں سے درگذر فرمائے۔" جس کے بعد تمیم داری مسلمان ہو گیا۔

[1] الاصابہ، ج ۳، ص ۴۷۳، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۸

[2] سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۴۴۶، مطبوعہ بیروت ۱۴۰۱

[3] تہذیب تاریخ ابن عساکر، ج ۳، ص ۳۶۰

[4] فتوح البلدان، ص ۵۵۶، مطبوعہ مصر

صرف یہی لوگ حدیث نقل کرتے تھے اور خلیفۂ دوم کے زمانے میں ان کے علاوہ کسی دوسرے کو حدیث نقل کرنے کی اجازت نہیں تھی[1] اور عمر نے سب کو منع کر رکھا تھا۔[2]

سنہ ۱۴ ہجری میں جب خلیفۂ دوم نے یہ حکم دیا کہ ماہ رمضان کی مستحب نمازوں کو جماعت سے پڑھا جائے تو اس کے لئے دو لوگوں کو امام جماعت بنایا ان میں سے ایک تمیم داری تھا، وہ اُس فاخرانہ لباس میں مسلمانوں کی امامت کرتا تھا جسے اس نے ایک ہزار درہم میں خریدا تھا۔

تمیم داری عثمان کی خلافت کے آخر تک مدینہ میں رہا اور وہاں مسلسل اسرائیلیات (یہودی افکار) کی نشر و اشاعت کرتا رہا اور قتل عثمان کے بعد شام فرار کر گیا، بالآخر سنہ ۴۰ ہجری میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔[3]

---

[1] البتہ عبد اللہ بن عباس بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جنہیں نقل حدیث حتی تفسیر بیان کرنے کی چھوٹ تھی، دیکھئے "القرآن الکریم و روایات المدرستین"، ج ۲، ص ۴۲۰، ۴۲۷

[2] ملاحظہ فرمایئے "دین کی حیات نو میں ائمہ کا کردار" ج ۶، ص ۸۳، ۹۹

[3] تاریخ ابن عساکر، ج ۱۰، ص ۴۷۹

تیسرے: تفسیر قرآن پر پابندی

مندرجہ ذیل قصہ اہل سنت کی متعدد کتابوں میں موجود ہے:

صبیغ بن عسل تمیمی کا شمار قبیلۂ تمیم کے باعزت (بڑے) لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ اسکندریہ میں اصحاب پیغمبرؐ سے قرآن کی تفسیر پوچھتا رہتا تھا۔[1]

عمرو عاص نے عمر کو اس کی خبر دے دی۔ عمر نے کہا: "اسے سرکاری تحویل میں لے کر میرے پاس بھیج دو۔" جب صبیغ سرکاری تحویل کے ساتھ مدینہ پہنچا تو خلیفۂ دوم نے اسے بٹھایا اور کھجور کا وہ گچھا جس سے کھجوریں توڑی جا چکی تھیں اسے اس کے سر پر اتنا مارا کہ وہ کہنے لگا: "اے امیر المومنین! بس کرو، میرے سر میں جو کچھ تھا وہ سب نکل گیا ہے۔"

جب وہ کھڑا ہوا تو اس کے سر سے خون ٹپک کر اس کے دامن پر گر رہا تھا اور دامن سے گر کر زمین تک آ رہا تھا۔ خلیفۂ دوم نے اسے دوسری مرتبہ بلایا اور اس بار اسے زمین پر لٹا دیا اور اس کی کمر پر سوتا زیانے مارے جس سے اس کی کمر سے خون بہنے لگا۔ جب تیسری بار لایا گیا تو اس نے کہا: "اے امیر المومنین! اگر مجھے جان سے مارنا چاہتے ہو تو عزت سے (کسی تکلیف کے بغیر) ہی مار ڈالو۔"

---

[1] جیسے در منثور، ج۶، ص۱۱۱؛ سنن دارمی، ج۱، ص۵۶؛ تفسیر ابن کثیر، ج۴، ص۲۳۱ تا ۲۳۲؛ تفسیر قرطبی، ج۱۷، ص۲۹

خلیفۂ دوم نے اسے ابو موسیٰ اشعری (بصرہ کے گورنر) کے پاس بھیج دیا اور اسے یہ حکم دیا کہ لوگوں کو اس سے بات کرنے سے منع کر دینا۔

یہ شخص مسجد میں جہاں کہیں بیٹھتا تھا لوگ اس کے آس پاس سے اُٹھ جاتے تھے حتی کہ وہ مسجد میں جس جگہ کھڑا رہتا تھا تو اس کے پاس کوئی بھی نہیں کھڑا ہوتا تھا۔

یہ کچھ دنوں بعد ابو موسیٰ اشعری کے پاس آیا اور اپنی بدحالی کا رونا رویا اور اس سے اپنی اوپر لگی ہوئی پابندی ہٹانے کے لئے خلیفہ کے یہاں سفارش کرنے کی التجا کی۔ ابو موسیٰ نے اس کی سفارش کر دی اور وہ آزاد ہو گیا۔[1]

مختصر یہ کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیث کی نشر و اشاعت پر اس طرح پابندیاں لگائی گئیں بلکہ اس سے دو چار قدم اور آگے!

طبقات ابن سعد میں قاسم بن محمد بن ابی بکر کے حالات زندگی میں درج ہے کہ حضرت عمر نے منبر سے اصحاب پیغمبرؐ کو یہ قسم دی کہ جس کے پاس بھی کوئی لکھی ہوئی حدیث موجود ہو تو اسے لے آئے۔ اس وقت اصحاب کو ان کی نیت کا پتہ نہیں تھا، جب وہ لے آئے تو سب کو ایک جگہ جمع کر کے آگ میں جلا دیا۔[2]

---

[1] القرآن الکریم وروایات المدرستین، ج۲، ص۴۱۵/۴۱۷

[2] طبقات ابن سعد، ج۵، ص۱۴۰

خلیفۂ دوم نے اتنی سختی کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کی حدیث پر روک لگائے رکھی اور صرف تین آدمیوں کو ہی حدیث نقل کرنے کی اجازت تھی جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ام المومنین عائشہ، ۲۔ تمیم داری (جو پہلے عیسائی راہب تھا)، ۳۔ کعب الاحبار یہودی (جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔)

ابن عباس کو بھی اجازت دے رکھی تھی لیکن حدیث پیغمبرؐ کے بارے میں خلافت کا زاویۂ نظر انہیں اچھی طرح سمجھا دیا تھا یعنی ان کے لئے بھی زبان کھولنے کے حدود (اور طریقے) معین تھے۔

عمر کہتے رہتے تھے کہ رسول اللہ کی روایت کم بیان کرو مگر یہ کہ جو عملی مسائل ہیں (جیسے یہ کہ پیغمبر کیسے وضو کرتے تھے یا کیسے نماز پڑھتے تھے۔)[1]

اس لئے ابن عباس صرف انہیں آیتوں کی تفسیر بیان کرتے تھے جو جنت یا جہنم کے بارے میں تھیں اور ان کے علاوہ کچھ اور نہیں کہتے تھے۔

لکھی ہوئی احادیث کے ساتھ خلیفۂ دوم نے یہ سلوک کیا! جس کے بعد پیغمبر اکرمؐ کی کوئی حدیث باقی نہیں رہ گئی تھی مگر صرف وہی حدیثیں جو صحابہ کے مصاحف (با تفسیر قرآنوں) میں تحریر تھیں۔

---

[1] تاریخ ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۰۷

میں نے جمع قرآن مجید کے بارے میں اپنی کتاب "القرآن الکریم و روایات المدرستین" میں یہ لکھا ہے کہ خلیفۂ دوم کو ایک ایسا قرآن دکھائی دیا جس کے حاشیہ پر پیغمبرؐ کا قول لکھا ہوا تھا، انہوں نے اس حصہ کو قینچی سے کاٹ لیا اور حدیث پیغمبرؐ (وحی بیانی) کو بالکل الگ کر دیا تاکہ اس کا نام ونشان باقی نہ رہے۔[1]

خلیفۂ دوم کے انتقال کے بعد عثمان نے وہ قرآن جس میں وحی بیانی نہیں تھی (بغیر تفسیر والا نسخۂ قرآن) حفصہ سے لے لیا اور یہ حکم دیا کہ اس کے سات نسخے تیار کئے جائیں چنانچہ اس کے ساتھ نسخے لکھے گئے جن میں سے ایک ایک نسخہ مکہ، یمن، دمشق، حمص، کوفہ اور بصرہ بھیج دیا اور ایک نسخہ اپنے پاس مدینہ میں رکھا جو اصل نسخہ لایا گیا تھا (حفصہ والا) اس میں املے کی کچھ غلطیاں تھیں اور اس کے بارے میں خلیفۂ سوم نے یہ کہا تھا: "فيه لَحْن ستُقيمُه العَرَبُ بألسِنَتِهَا" "اس میں املاء کی کچھ غلطیاں ہیں جنہیں اہل عرب خود صحیح کرلیں گے۔"[2]

اس جملہ کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھے گئے "لحن" یعنی املائی غلطیاں چنانچہ مسلمان ان املائی غلطیوں کو آج تک اسی طرح لکھتے آرہے ہیں۔ قرآن کا جو نسخہ آج

---

[1] کنز العمال، ج ۲، ص ۲۰۴، ج ۳، ص ۳۰۲، طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد ۱۳۶۵ھ

[2] در منثور، ج ۲، ص ۲۴۶؛ کنز العمال، ج ۲، ص ۲۷۳؛ منتخب کنز العمال، ج ۲، ص ۵۱ بحوالہ مصاحف ابن ابی داؤد، مصاحف ابن انباری

مسلمانوں کے درمیان موجود ہے یہ وہی نسخہ ہے جس میں بعض جگہ املائی غلطیاں تھیں جیسے لفظ "رحمان" کو "رحمٰن" لکھا گیا ہے یا "بسطہ" کو "بصطۃ" لکھا گیا ہے۔[1]

جو یہ کہا جاتا ہے کہ خلیفۂ سوم نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے میں نے اس بارے میں اپنی کتاب "القرآن الکریم و روایات المدرستین" میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ غلط ہے۔[2]

قرآن مجید پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں ہی جبرئیل کی وحی کے ساتھ جمع ہوا ہے:

قرآن مجید کو جمع کرنا اور اسے پڑھنا ہماری ذمہ داری ہے نیز اس کی وضاحت (بیان) بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔[3]

---

[1] دوسرے نمونے: "لنسفعن" کو "لنسفعاً" لکھا گیا ہے۔ سورۂ علق، آیت ۱۵
"لیکونن" کو "لیکوناً" لکھا ہے۔ سورۂ یوسف، آیت ۳۲
"یالیت" کو "یٰلیت" لکھا ہے۔ سورۂ زخرف، آیت ۳۸
"یاعیسیٰ" کو "یٰعیسیٰ" لکھا ہے۔ سورۂ آل عمران، آیت ۵۵
"شرکاءُ" کو "شرکٰؤُ" لکھا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ، آیت ۱۱۰ و ۱۱۶
"لشیءٍ" کو "لشایٔ" لکھا ہے۔ سورۂ کہف، آیت ۲۳
"بأید" کو "باييد" لکھا ہے۔ سورۂ ذاریات، آیت ۴۷

[2] القرآن الکریم و روایات المدرستین، ج ۲، ص ۷۱، ۵۹

[3] سورۂ قیامت، آیت ۱۷، ۱۹ "إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ---"

سب سے پہلی بار قرآن مجید کو خداوند عالم نے پیغمبر اکرم ﷺ کے سینہ میں جمع کیا اور ہر سال رمضان المبارک کے مہینے میں جبرئیل امین اور پیغمبر اکرمؐ قرآن کو ملا کر دیکھتے تھے اور پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے سال، جبرئیل اور پیغمبر اکرمؐ نے دو بار قرآن ملا کر دیکھا (شروع سے آخر تک دونوں قرآن پڑھ کر ملائے)[1] اور پیغمبر اکرمؐ کی زندگی میں ہی سینکڑوں صحابیوں نے قرآن مجید کو لکھ رکھا تھا اور انہوں نے خود پیغمبر اکرمؐ سے قرآن سیکھا تھا[2] اور ہزاروں لوگ اسے حفظ کر چکے تھے[3] اور اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی ہے۔[4]

بات صرف اتنی سی ہے کہ حدیث (یعنی وحی بیانی یا دوسرے الفاظ میں تفسیر) کو حذف کر دیا گیا اور یہ قرآن جو ہمارے پاس موجود ہے یہ خلیفۂ سوم کے زمانہ میں لکھا گیا تھا نہ یہ کہ انہوں نے اس کو جمع کیا تھا۔ قرآن کو پیغمبرؐ یا ابوبکر اور عمر نے بھی جمع نہیں کیا بلکہ "قرآن کو خداوند عالم نے جمع کیا ہے۔"

---

[1] مسند احمد، ج ۶، ص ۲۸۲؛ سنن ابن ماجہ، ح ۱۶۲۱؛ صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۹۰۵، ح ۹۸ و ۹۹

[2] القرآن الکریم و روایات المدرستین، ج ۱، ص ۱۳۰۔۱۲۸

[3] القرآن الکریم و روایات المدرستین، ج ۲، ص ۱۲۸/۱۳۰

[4] القرآن الکریم و روایات المدرستین، ج ۲، ص ۱۳۱/۹۵

جن روایتوں میں دوسروں کی طرف جمع قرآن کی نسبت دی گئی ہے یہ سب جھوٹ ہے اور "القرآن الکریم و روایات المدرستین" کی دوسری جلد (باب جمع قرآن) کے اندر یہ بات ثابت کی جاچکی ہے۔

مثلاً یہ کہ "اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیتِ۔۔۔"[1]

"اے اہل بیت! بیشک اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔"

یہ آیت "نساء النبی" سے متعلق آیتوں کے درمیان میں آئی ہے جس کی حکمت یہ ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ "لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّةِ الْاُولٰی"[2] "اور پہلی جاہلیت جیسا بناؤ سنگھار نہ کرو۔" کے خطاب کا تعلق حضرت فاطمہ زہراؑ سے نہیں ہے اور آپ اس آیت کی نص کے مطابق معصومہ اور مطہرہ ہیں اور مذکورہ آیت حکم الٰہی سے ان آیتوں کے درمیان رکھی گئی ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت حتی کہ ایک لفظ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور تحریف والی روایتیں یا تو اصلاً صحیح نہیں ہیں یا ان کے معنی ہی نہیں سمجھے گئے۔ اگر قرآن مجید کا ایک کلمہ اِدھر سے اُدھر ہوجائے تو یہ بالکل

---

[1] سورۂ احزاب، آیت ۳۳

[2] سورۂ احزاب، آیت ۳۳

اسی طرح ہے کہ ہم یہ کہیں کہ آنکھ کو کان کی جگہ لگایا جاسکتا ہے کیونکہ آیتوں اور کلموں کی جگہ تبدیل ہونے سے ان کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔

قرآن مجید کے سوروں کا ایک وزن ہے اور میں ان کے اس وزن کو بخوبی سمجھ لیتا ہوں۔ البتہ اسے بیان نہیں کرسکتا۔ کلمات کی تبدیلی سے ان کا وزن اور معنی سب کچھ بدل جائیں گے۔ قرآن کے سورے بالکل ویسے ہی ہیں جیسے "خلیل بن احمد" سے پہلے "اشعار" کا حال تھا کہ لوگ اُس وقت تک ان کا صحیح وزن نہیں سمجھ پائے تھے۔ قرآن مجید کا ایک کلمہ کم اور زیادہ یا پہلے اور بعد میں ذکر نہیں ہوا ہے بلکہ ہر کلمہ اپنی معین جگہ پر ہے اور وہ دوسرے کلمات نیز آیت کے تمام کلمات کے ساتھ ہر لحاظ سے ہم آہنگ ہے۔

لہٰذا اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل خلافت نے پہلے تو احادیث کو جمع کیا اور پھر انہیں جلادیا پھر خلیفۂ سوم نے قرآن مجید کے وہ تمام نسخے جن میں وحی بیانی بھی تھی اور انہیں "مصحف" کہا جاتا تھا جمع کئے اور انہیں بھی جلادیا، صرف ایک شخص نے اپنا مصحف نہیں دیا تھا اور وہ عبداللہ بن مسعود تھے۔

اس طرح عثمان کے زمانے میں جمع قرآن کی مہم میں تیزی پیدا ہوگئی جن صحابیوں نے عثمان کے خلاف قیام کر رکھا تھا وہ قرآن مجید سے ان کے خلاف استفادہ کرتے تھے۔

عبد اللہ بن مسعود اہل کوفہ کے "مُقرِئ" تھے (مُقرِئ یعنی وہ شخص جو قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ وحی بیان (= تفسیر) کی تعلیم بھی دیتا ہے) کوفہ میں وہاں کے گورنر ولید سے ان کی جھڑپ ہوگئی تو ابن مسعود اس آیت: "اِنْ جَائَکُم فَاسِقٌ۔۔۔" "اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کرلو۔"[1] کو پڑھ کر کہتے تھے کہ یہ آیت ولید کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2]

لہٰذا عثمان نے تمام صحابہ کے مصاحف لے کر جلا دیئے مگر ابن مسعود نے اپنا مصحف نہیں دیا جس کی وجہ سے انہیں کیا کچھ برداشت نہیں کرنا پڑا اور ان کے مصحف کی طرف کیا کیا جھوٹی نسبت نہیں دی گئی۔ امیہ نے ابن مسعود کی شخصیت کچلنے کے لئے ان کی طرف اور ان کے مصحف کے بارے میں نہ جانے کتنے جھوٹے پروپیگنڈے کئے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ان کے مصحف میں "معوذتین" نہیں ہیں۔[3]

---

[1] سورۂ حجرات، آیت ۶

[2] تفسیر طبری، ج ۲۶، ص ۷۸؛ تفسیر سیوطی، ج ۶، ص ۱۸۸ و ۹۲

[3] اتقان، ج ۱، ص ۸۱؛ مسند احمد، ج ۵، ص ۱۲۹ نیز ملاحظہ فرمائے القرآن الکریم و روایات المدرستین، ج ۲، ص ۱۰۴ و ۱۰۶ "معوذتین" یعنی سورۂ ناس اور سورۂ فلق

ہمارے پاس جو قرآن مجید ہے یہ وہی قرآن ہے جو پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوا تھا اور اس میں کوئی کمی یا زیادتی اور کلمات کی جگہ تبدیل نہیں ہوئی ہے۔

البتہ صرف اتنا کیا گیا ہے کہ وحی بیانی کو الگ کر دیا گیا بالکل اسی طرح جیسے پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیث کی کتابت اور اسے نقل کرنے پر پابندی لگائی گئی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام کی ظاہری خلافت کے دور یعنی سنہ ۳۶ ہجری سے سنہ ۴۰ ہجری تک اور عمر بن عبد العزیز کے دور میں (سنہ ۹۹ سے لے کر سنہ ۱۰۱ ہجری تک) پیغمبرؐ کی حدیث لکھنے کی چھوٹ تھی۔[1] اس کے بعد جب عمر بن عبد العزیز کو خود بنی امیہ نے زہر دے کر قتل کر ڈالا تو حدیث لکھنے پر پابندی لگادی جو ۱۴۳ھ تک جاری رہی۔[2] اور یہی نہیں بلکہ اس کے لئے چند حدیثیں بھی گڑھی گئیں کہ معاذ اللہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"لا تکتُبوا عنّی و مَنْ کتب عنّی غیرَ القرآن فلیَمْحه۔۔۔"[3] "میری کوئی حدیث نہ لکھو اور جو شخص قرآن مجید کے علاوہ مجھ سے کوئی اور چیز لکھے گا اس کو محو کر دو۔"

---

[1] مقدمۂ سنن دارمی، ص ۱۲۶؛ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۴۴۷؛ مطبوعہ بیروت، مصنفہ عبد الرزاق، ج ۹، ص ۳۳۷، مطبوعہ ہندوستان ۱۹۷۰ء، اخبار اصبہان، مولفہ ابو نعیم، ج ۱، ص ۳۱۲؛ تدریب الراوی مولفہ سیوطی، ص ۹۰؛ فتح الباری، باب کتابۃ العلم، ج ۱، ص ۲۱۸

[2] معالم المدرستین، ج ۲، ص ۵۷، طبع اول ۱۴۱۲ھ

[3] صحیح مسلم، ج ۴، ص ۹۷؛ سنن دارمی، ج ۱، ص ۱۱۹؛ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۲ و ۳۹ و ۵۶

سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور ذہبی کی تاریخ الاسلام میں ابو جعفر منصور کے حالاتِ زندگی میں تحریر ہے کہ ۱۲۳ھ میں منصور کے زمانے میں حدیث لکھنے کی چھوٹ دی گئی نیز سیرت، حدیث اور تفسیر وغیرہ لکھنے کا آغاز اسی زمانے سے ہوگیا گویا مکتب خلفاء میں رسول اکرم ﷺ کی حدیثیں ۱۳۰/سال تک صرف زبانی طور پر نقل ہوتی رہیں۔[1]

[1] تاریخ الخلفاء، سیوطی، ص۲۶۱؛ تاریخ الاسلام، ج۶، ص۶

حدیث پیغمبرؐ؛ حضرت علیؑ کی خلافت اور معاویہ کے دور میں

حضرت علی علیہ السلام نے دو کام کئے:

ایک تو آپ نے قرآن کریم کی یہ خدمت کی کہ اس کی حفاظت کے لئے "علم نحو" کی بنیاد رکھی۔[1]

دوسرا کام یہ کیا کہ وہ صحابی جو کوفہ میں تھے اور ان کی تعداد ۱۸۰۰/تک پہنچتی تھی ان سب کو آپ نے اس سلسلہ میں پوری آزادی دے دی (بلکہ بعض مواقع پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جیسے حدیث غدیر کے بارے میں) تاکہ وہ پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیثیں نقل کیا کریں۔[2]

[1] "طبقات النحویین" ابی الاسود، ص۱۳؛ فہرست ابن ندیم، "المقالة الثانیة الفن الاول من اخبار النحویین" ص۵۹۔۶۰ و طبع جدید، ص۴۵؛ وفیات الاعیان، ج۲، ص۱۶؛ البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ج۸، ص۳۱۲؛ اغانی، ج۱۲، ص۳۰۲، طبع سیاسی، ج۱۱، ص۱۰۱؛ تاریخ ابن عساکر، حالات ابوالاسود دوئلی؛ معجم الادباء، ج۱۴، ص۴۹؛ نزھۃ الالباد فی طبقات الادباء، ص۵، ص۱۸ و ۳۰۲؛ انباہ الرواۃ قفطی، ج۱، ص۴، ۶، طبع قاہرہ ۱۳۶۹ھ

[2] تاریخ ابن کثیر، ج۵، ص۲۱۰ و ۲۱۲؛ مسند احمد، ج۱، ص۱۱۸ و ۱۱۹؛ ج۴، ص۳۷۰؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۰۵ نیز ملاحظہ فرمائیے: معالم المدرستین، پانچواں ایڈیشن، ج۱، ص۴۹۹ و ۵۰۰؛ نقش ائمہ در احیاء دین، ج۱۴، ص۱۸۸ و ۱۸۹

چنانچہ بخاری اور صحیح مسلم کے اندر جو صحیح احادیث موجود ہیں وہ مولائے کائناتؑ کے دور کا ہی صدقہ ہیں مثلاً صحیح مسلم میں نقل ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: "اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسیٰ اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" "تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے صرف یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"[1]

جب حکومت معاویہ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی اور اس نے یہ صورتحال دیکھی کہ اسلامی علوم اور عالم اسلام کی پوری فضا اس کی مخالف ہے اور حضرت علیؑ کے فضائل کے بارے میں کثرت کے ساتھ حدیثیں بیان ہو رہی ہیں تو اس نے ہر طرف یہ احکامات جاری کر دیئے کہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے بارے میں کوئی حدیث نقل نہ کی جائے[2] تو پھر انہوں نے کیا کیا؟

---

[1] صحیح مسلم، ج ۷، ص ۱۲۰، باب فضائل علی بن ابی طالبؑ۔ صحیح بخاری، ج ۳، ص ۲۰۰، باب مناقب علی بن ابی طالبؑ میں بھی یہی روایت نقل ہوئی ہے۔ البتہ اس کے آخر میں یہ جملہ ہے: "اِلَّا انه لیس نبی بعدی" صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۲۸، ناشر کتب خانہ اشاعت الاسلام، چوڑی والاں دہلی؛ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۴۴۸، مترجم علامہ وحید الزماں، ناشر اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی، ج ۳، ص ۱۵ و ۱۶

حدیثوں کے درمیان جو ٹکراؤ اور تضاد پیدا ہوا اُس کا ایک نمونہ حاضر خدمت ہے۔[1]

مکتب خلفاء کی کتب روایت ہیں جیسے تفسیر طبری اور تاریخ طبری میں ہے کہ جب یہ آیت "وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ"[2] "پیغمبر! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔" نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم ﷺ نے حکم دیا اور تمام بنی عبد المطلب آگئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

تم میں سے کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا؟ تاکہ وہ تمہارے درمیان میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہو سکے۔

کسی نے جواب نہیں دیا۔ حضرت علیؑ جو اس وقت بالکل نوجوان تھے آپ نے کہا: "اَنَا یَا نَبِیَّ الله" "اے نبی خدا میں۔"

حضرتؐ نے ان کو کھڑا کر کے فرمایا: "تمہارے درمیان یہ میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہے لہٰذا اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔"

---

[1] مزید واقفیت کے لئے احادیث ام المومنین عائشہ یا اس کا ترجمہ "تاریخ اسلام میں حضرت عائشہ کا کردار" ملاحظہ فرمایئے۔

[2] سورۂ شعراء، آیت ۲۱۴

بنی عبد المطلب سب اٹھ کر چلے گئے اور چلتے چلتے جناب ابوطالبؑ سے یہ مذاق بھی کیا: "قَدْ اَمَرَكَ اَنْ تَسْمَعَ لِابْنِكَ وَتُطِيعَ" "انہوں نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی بات سننا اور اس کی پیروی کرنا۔"[1]

واضح رہے کہ طبری نے اپنی کتاب میں اس روایت کو مکمل طریقہ سے نقل کیا ہے (جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ہے) لیکن اپنی تفسیر میں اسی آیت کے ذیل میں اس روایت کو نقل کرتے ہوئے اس سے وہ الفاظ حذف کر دیئے ہیں جو امیر المومنینؑ کی وصایت اور خلافت کے بارے میں تھے اور ان کی جگہ مجمل الفاظ لکھ دیئے ہیں یعنی انہوں نے پیغمبرؐ کی حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے: "اِنَّ هٰذا اَخِي وكذا وكذا!"

ابوہریرہ نے کہا کہ جب آیہ "وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ" نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ نے کوہ صفا کے اوپر جا کر یہ آواز دی:

اے اولاد عبد مناف! اے اولاد عبد المطلب! اے صفیہ بنت عبد المطلب! اے فاطمہ بنت محمد! اور اے عائشہ بنت ابوبکر! میں خدا کی طرف سے تمہارے لئے کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا ہوں۔[1]

[1] تاریخ طبری، مطبوعہ یوروپ، ج۱، ص۱۱۷۱ و ۱۱۷۲؛ ابن عساکر، تحقیق محمودی، ج۱، ص۸۸؛ تاریخ ابن اثیر، ج۲، ص۳۲۲؛ شرح ابن ابی الحدید، ج۳، ص۲۶۳

جبکہ جس سال خیبر فتح ہوا تھا اس سال جس کشتی سے جناب جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھی حبشہ سے واپس آئے تھے (پیغمبرؐ نے انہیں خیبر کا مال غنیمت بھی دیا تھا) اسی کشتی سے ابوہریرہ یمن گئے تھے اور وہاں سے مدینہ آئے تھے۔

تو ابوہریرہ آیہ "وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ" کے نزول کے وقت کہاں تھے جو وہ اس کی روایت کر رہے ہیں؟ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت بعثت کے پانچویں سال تھی جبکہ یہ آیت بعثت کے تیسرے سال نازل ہوئی[2] اور اس وقت تک جناب فاطمہؑ اور حضرت عائشہ کی ولادت ہی نہیں ہوئی تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: "تین لوگ مسلسل رسول خداﷺ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیا کرتے تھے؛ ابوہریرہ، انس بن مالک اور ایک عورت۔"[3]

ان تینوں کو نظر میں رکھیں رسول خداؐ کی حدیث میں ان تینوں نے جو گڑبڑی مچائی ہے وہ کسی اور نے نہیں کی۔[1] آج یہ جتنی بھی جھوٹی حدیثیں ہیں ان میں سے اکثر معاویہ کے زمانہ میں گڑھی گئی ہیں۔

[1] مختصر سے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ: سنن نسائی، ج۶، ص۲۴۷؛ مسند احمد، ج۲، ص۳۵۰؛ صحیح بخاری، ج۴، ص۱۶۱

[2] بحار الانوار، ج۳۵، ص۹، ج۱۳، ص۱۶

[3] بحار الانوار، ج۲، ص۲۱۷؛ ایضاح، ص۵۴۱؛ خصال، ص۱۹۰، ۲۶۳

جیسا کہ مدائنی کتاب "الاحداث" میں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے تمام گورنروں کے لئے یہ احکامات جاری کئے کہ جو شخص بھی ابوتراب اور ان کے گھر والوں کے فضائل کے بارے میں کچھ بھی کہے گا اس کی جان اور مال کا کوئی احترام نہیں ہے اور اس کا خون حلال ہے۔

دوسری مرتبہ معاویہ نے تمام علاقوں میں اپنے گورنروں کے لئے یہ احکامات جاری کئے: "علی اور ان کے خاندان والوں کے شیعوں میں سے کسی ایک کی بھی گواہی قبول نہ کی جائے۔" اور یہ حکم بھی دیا: "جو بھی عثمان کا چاہنے والا ہے اور وہ لوگ جو ان کی فضیلت میں روایات نقل کرتے ہیں اور تم لوگوں کی سلطنت کے حدود میں رہتے ہیں ان کو تلاش کرکے اپنے قریب کرلو اور ان کا احترام کرو اور یہ لوگ عثمان کے فضائل کے بارے میں جو بھی روایت نقل کریں اسے لکھ کر میرے پاس بھیج دیا جائے اور اس کے ساتھ اس کے ناقل اور اس کے باپ اور خاندان کا نام بھی درج کیا جائے۔"

ان احکامات پر اتنی تیزی کے ساتھ عمل ہوا اور ضمیر فروش اور ہوا و ہوس کے متوالوں نے دنیا حاصل کرنے کے لئے اتنی حدیثیں گڑھیں کہ خلیفۂ سوم کے فضائل کا بازار گرم ہوگیا کیونکہ معاویہ کے قبضہ میں جو کچھ بھی خلعتیں اور مال و دولت تھا

[1] اصول کافی، ج ۳، ص ۳۴۲؛ تہذیب، ج ۲، ص ۳۲۱

اس نے اُسے اس کام کے لئے پانی کی طرح بہانا شروع کردیا، جو غیر معروف اور معمولی سے معمولی آدمی بھی معاویہ کے گورنروں کے پاس جاکر عثمان کی فضیلت میں حدیث سناتا تھا اس کا نام فوراً لکھ لیا جاتا تھا اور حکومت کے اندر اسے کوئی نہ کوئی عہدہ اور مقام بھی مل جاتا تھا۔ کچھ دن بعد معاویہ کی طرف سے اپنے گورنروں کے لئے یہ حکم جاری ہوا: "اب چونکہ عثمان کے فضائل کے بارے میں روایات بہت زیادہ ہوچکی ہیں اور تمام شہروں میں ان کا چرچا ہے لہٰذا لوگوں کو یہ حکم دو کہ صحابہ نیز پہلے خلفاء کے فضائل میں روایت نقل کریں اور ابوتراب کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث نہ رہے مگر یہ کہ تم گذشتہ خلفاء اور صحابہ کے بارے میں اسی کی طرح روایت میرے سامنے پیش کردو یا اسی روایت کی مخالف روایت نقل کرو۔"[1]

ابن عرفہ معروف بہ نَفطَوَیہ نے لکھا ہے:

وہ اکثر جھوٹی حدیثیں جن میں صحابہ کے فضائل ذکر کئے گئے ہیں یہ سب بنی امیہ کے زمانے میں گڑھی گئی ہیں اور وہ بھی صرف اس لئے تاکہ ان کا گڑھنے اور نقل کرنے والا ارباب خلافت کا تقرب حاصل کرلے۔[2]

مکتب خلفاء میں روایاتِ حدیث کی یہی مختصر تاریخ تھی۔

[1] مدائنی کی روایت، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۵ و ۱۶

[2] گذشتہ حوالہ

حدیث پیغمبرؐ مکتب اہل بیتؑ میں

مکتب اہل بیت علیہم السلام کے ائمہ معصومینؑ کے پاس ایک کتاب بنام "جامعہ" تھی جس کی داستان یہ ہے: پیغمبر اکرم ﷺ کے اوپر جو وحی بھی نازل ہوتی تھی، رات کو حضرت علیؑ آپ کے پاس آتے تھے اور آنحضرتؐ کو وہ سب لکھوادیتے تھے۔[1]

آنحضرتؐ نے آپ سے فرمایا: لکھو! آپ نے عرض کی: "کیا آپ کو یہ ڈر ہے کہ میں بھول جاؤں گا؟" فرمایا: نہیں یہ ڈر نہیں ہے، کیونکہ میں نے خدا سے یہ دعا کی ہے کہ تم کوئی چیز نہ بھولنے پاؤ لیکن اپنے شریکوں کے لئے لکھ لو۔

عرض کی: میرے شریک کون لوگ ہیں؟

آنحضرتؐ نے امام حسنؑ کی طرف (جو اُس وقت کمسن تھے) اشارہ کیا اور فرمایا:

---

[1] بعض دوسری روایات میں آیا ہے کہ مولائے کائناتؑ ہر روز صبح و شام پیغمبر اکرمؐ کے پاس جاتے تھے؛ الکافی، کتاب فضل العلم، ج۱، ص ۶۴، تصحیح استاد علی اکبر غفاری؛ سنن ابن ماجہ، ج۸، ص ۳۷، باب استئذان بکتاب الاذن

تمہارا یہ فرزند، ان میں سب سے پہلی فرد ہے، پھر امام حسینؑ کی طرف (کہ جو ان سے بھی کمسن تھے) اشارہ کیا اور فرمایا کہ ان کی دوسری فرد یہ ہے اور نو افراد اس کی نسل سے ہیں۔[1]

رسول خدا ﷺ اور حضرت علی علیہ السلام کی دو ملاقاتوں کے درمیان جو کچھ وحی نازل ہوتی تھی آپؐ دوسری ملاقات کے وقت اسے اونٹ کی کھال پر لکھ لیا کرتے تھے[2] بعد میں اس مجموعہ کا نام "جامعہ" ہوگیا۔ روایت کے مطابق جامعہ کی لمبائی "ستّر" ذراع تھی۔[3]

اسے امام رضا علیہ السلام کے زمانہ تک ائمہ کے ستر صحابیوں نے دیکھا تھا۔[4]

---

[1] بحار الانوار، ج۲۶، ص ۲۳۲

[2] جانور کی کھال کو جب صاف کرکے مخصوص طریقہ سے دھو دیا جاتا ہے تو وہ بالکل کاغذ کی طرح ہو جاتی ہے اور اس کے اوپر کچھ بھی لکھا جاسکتا ہے۔ اس کھال کے اوپر عام طور سے وہ تحریریں لکھی جاتی تھیں جن کو عرصۂ دراز تک باقی رکھا جاسکتا تھا، اس کے کچھ نمونے آستان قدس رضوی (مشہد مقدس) کے عجائب گھر میں موجود ہیں جن کے اوپر قرآن جید کی آیتیں اور سورے لکھے ہوئے ہیں۔

[3] کافی، ج۱، ص ۲۳۹؛ بصائر الدرجات، ج۱، ص ۱۵۱ و ۱۵۲؛ وافی، ج۲، ص ۱۳۵۔ ذراع ہاتھ کی درمیانی انگلی سے کہنی تک کے حصہ کو کہا جاتا ہے۔

[4] معالم المدرستین، ج۲، ص ۳۴۹ و ۳۵۹، چوتھا ایڈیشن ۱۴۱۲ھ

ائمہ علیہم السلام جامعہ اور "مصحف علیؑ" (یعنی وہ قرآن کریم جس میں وحی بیانی بھی تھی اور انہیں حضرات کے پاس موجود تھا) سے اپنے صحابہ کے لئے روایت نقل کیا کرتے تھے[1] اور اصحاب انہیں لکھ لیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کی تعداد "چار سو اصل" تک پہنچ گئی اور ان کا نام ہی "چار سو اصول" پڑ گیا۔ شاید ان کی تعداد بعد میں اور زیادہ ہو گئی ہو۔

"اصل" در حقیقت چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں جن میں دو عدد آج بھی تہران یونیورسٹی میں موجود ہیں جن کا اصل نام "اصل عُصفُری" ہے۔

دینی مدارس اور حوزات علمیہ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ "اصول اربعمأۃ" (چار سو اصولوں) کو تلاش کریں اور کتب احادیث کے اندر یہ پتہ لگائیں کہ کس کتاب میں انہیں کس جگہ پر نقل کیا گیا ہے اور یہ بہت بڑی خدمت ہو گی۔

البتہ "کافی، استبصار، تہذیب" کے بارے میں بھی تحقیق ضروری ہے اور یہ بھی ایک اہم کام ہے۔

جس نے سب سے پہلے "چار سو اصولوں" کو جمع کیا ہے اور ان کی کتاب تک ہماری رسائی ہے وہ شیخ کلینیؒ (متوفی ۳۲۹ھ۔ق) ہیں جنہوں نے بیس سال تک

---

[1] معالم المدرستین، ج۲، ص۳۴۵ و ۳۴۹، چوتھا ایڈیشن؛ رسالہ فصلنامہ علوم حدیث، شمارہ ۳، ص۴۱، مضمون صحیفہ امیر المومنینؑ قدیم ترین تاریخی سند، مولفہ محمد صادق نجمی

گاؤں گاؤں اور شہر بہ شہر گھوم کر حتی نیشابور سے بغداد تک کا سفر کیا اور جو کچھ بھی انہیں مل پایا اسے جمع کر دیا۔[1]

دوسرے شخص جنہوں نے ان "اصولوں" کو جمع کیا ہے اور اچھی طرح جمع کیا ہے وہ شیخ صدوقؒ (متوفی ۳۸۱ھ۔ق) ہیں۔ آپ نے دو سو سے زیادہ کتابیں تحریر کی ہیں۔[2]

ان کے بعد شیخ طوسیؒ (متوفی ۴۶۰ھ۔ق) ہیں جنہوں نے اُن تمام اصولوں کو استبصار اور تہذیب میں جمع کر دیا ہے جن کا تعلق فقہی روایات سے تھا۔[3]

اہم بات یہ ہے کہ شیخ صدوقؒ کے زمانے سے ہی ہمارے علماء نے حدیثوں کے بارے میں دو قسم کا طرز عمل اختیار کر لیا تھا:

الف: فقہی طرزِ عمل

ب: غیر فقہی طرزِ عمل

---

[1] رجال نجاشی، ص۲۶۶

[2] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے: مقدمہ "من لایحضرہ الفقیہ" استاد علی اکبر غفاری، جلد۱

[3] ان چار کتابوں یعنی کافی کے مولف محمد بن یعقوب کلینیؒ، من لایحضرہ الفقیہ کے مولف محمد بن علی بن حسین بابویہ قمیؒ اور تہذیب واستبصار کے مولف محمد بن حسن طوسیؒ ہیں۔

فقہی احادیث کے بارے میں ان کا ایک خاص طرز عمل تھا جیسے شیخ صدوقؒ نے اپنی دوسو کتابوں میں ان لوگوں سے روایت نقل کی ہے جن سے "من لایحضرہ الفقیہ" کتاب میں روایت نقل نہیں کی ہے۔ شیخ طوسیؒ نے اپنی "تفسیر تبیان" میں ام المومنین عائشہ اور عبداللہ بن زبیر جیسے لوگوں سے بھی روایت نقل کی ہے جبکہ استبصار و تہذیب میں ان کی کوئی روایت نقل نہیں کی ہے۔ ہمارے فقہاء (خداوند عالم ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے) جیسے آیت اللہ بروجردیؒ اور آیت اللہ خوئیؒ نے فقہی احادیث کی سندوں اور ان کے مضامین کے بارے میں اس درجہ تحقیق کی ہے کہ ایک بشر اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کر سکتا ہے اور میں نے باقاعدہ علمی انداز سے[1] یہ ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ان اسلامی احکام تک پہنچنا چاہے جنہیں پیغمبر اکرم ﷺ لے کر آئے تھے تو اس کے لئے شیعوں کے فقہاء کے فقہی رسالوں (مجموعوں) کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

البتہ یہ بڑے ہی افسوس کا مقام ہے کہ غیر فقہی احادیث کے بارے میں لازمی حد تک تحقیق نہیں ہوئی ہے؛ نمونہ کے طور پر ملاحظہ فرمایئے:

شیخ طوسیؒ "قصہ اَفک" کو بیان کرکے کہتے ہیں کہ یہ ام المومنین عائشہ کے بارے میں ہے اور یہ آیتیں ام المومنین عائشہ کی گلو خلاصی (بے گناہی) کے بارے میں

[1] معالم المدرستین، ج۳، ص ۲۵۳ و ۳۶۵، چوتھا ایڈیشن ۱۴۱۲ھ

نازل ہوئی ہے۔ یہ ماجرا شیخ طوسیؒ کی تبیان سے مجمع البیان میں آیا اور پھر "تفسیر ابوالفتوح رازی" وغیرہ میں۔۔۔

جب کہ "آیۂ اَفک" اس الزام سے جناب ماریہ کے بے گناہ ہونے کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو ام المومنین عائشہ اور ان کے اطرافیوں نے ان کے اوپر لگایا تھا۔[1]

اب تک غیر فقہی احادیث میں جن لوگوں نے تحقیق کی ہے ان میں سب سے پہلے شخص علامہ شوشتریؒ تھے جنہوں نے اپنی کتاب "الاخبارُ الدَّخیلہ" اور دوسری کتابوں[2] میں بہت ہی بیش قیمت اور اہم کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ہمیں آداب، اخلاقیات اور عقائد کی حدیثوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے لیکن اگر ان میں موجود اس رخنہ اندازی اور اُتھل پتھل کو بیان کیا جائے جو ہماری غیر فقہی کتابوں میں (نہ کہ فقہی کتابوں میں) رونما ہوئی ہے تو اس کے لئے بھی متعدد کتابوں کی ضرورت ہے۔[3]

[1] کتاب "احادیث ام المومنین عائشہ" ج۲، ص۹۹، ۱۵۳، ۱۶۵، ۱۸۵، طبع اول ۱۴۱۸ھ

[2] جیسے نہج الصباغہ فی شرح نہج البلاغہ

[3] ملاحظہ فرمایئے: "القرآن الکریم و روایات المدرستین" کی تیسری جلد میں ان روایات کی تحقیق جنہیں حاجی نوری مرحوم نے تحریف قرآن کی سند کے طور پر پیش کیا ہے۔

کچھ ایسی روایتیں ہیں جن کا نام میں نے "روایات منتقلہ" (منتقل ہو کر آنے والی روایات) رکھا ہے کیونکہ یہ روایتیں دراصل مکتب خلفاء میں تھیں اور وہاں سے ہماری کتابوں میں خاص طور سے شیخ طوسیؒ کی تفسیر "تبیان" وغیرہ کے ذریعہ منتقل ہوئی ہیں اور حتی کہ شیخ عباس قمیؒ کی کتاب منتہی الآمال تک پہنچ گئی ہیں۔[1]

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت سے متعلق احادیث میں بھی ضروری حد تک مناسب تحقیق نہیں ہوئی ہے۔

جب ایران میں بحار الانوار کی طباعت نہیں ہوئی تھی اور اس وقت راقم الحروف کاظمین میں تھا تو وہاں میں نے علماء و محققین کی ایک کمیٹی بنانے کا ارادہ کیا تھا تاکہ بحار الانوار کی تصحیح کرنے کے بعد ہی اس کی طباعت کرائی جائے چنانچہ وہ کمیٹی قائم ہو گئی، اس میں راقم الحروف کے علاوہ شیخ محمد رضا شبیبی (شیعہ عالم اور مجمع علمی عراق کے صدر) ڈاکٹر مصطفیٰ جواد (عربی لغت کے ماہر) اور ڈاکٹر صاحب زینی بھی تھے۔

[1] مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے: معالم المدرستین، ج۳، ص۳۵۹ و ۳۶۰، طبع چہارم ۱۴۱۲ھ؛ نقش ائمہ در احیاء دین، ج۷؛ القرآن الکریم وراویات المدرستین، ج۳، ص۱۱۹ و ۱۲۸

میں نے یہ منصوبہ سامنے رکھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے اس کام کا آغاز کیا جائے چنانچہ ہمیں ایسی حدیثیں بھی نظر آئیں جن کے صحیح ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے جیسے زمین گائے کے سینگ کے اوپر ٹکی ہوئی ہے اور وہ گائے ایک مچھلی کے اوپر اور۔۔۔ اس کا راوی کون ہے؟ جب اس کی سند دیکھی گئی تو معلوم ہوا یہ سب "ابوالحسن البکری" کی روایتیں ہیں۔[1]

اس موقع پر میں نے ضروری سمجھا کہ بحار الانوار کے ماخذوں کے بارے میں بھی تحقیق کر لی جائے چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ علامہ مجلسیؒ نے اپنے ماخذوں میں دو سو پچاس سے زیادہ شیعہ کتابیں اور نوے سے زیادہ سنی کتابوں کے نام تحریر کئے ہیں۔ علامہ مجلسیؒ نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "ابوالحسن البکری" شیعہ تھا اور اس کی شیعیت کے ثبوت کی دو دلیلیں بھی پیش کی ہیں؛ ایک تو یہ کہ اس حدیث

[1] احمد بن عبداللہ بن محمد کا تعلق خلیفۂ اول کی نسل سے تھا جس نے تیسری صدی ہجری کے درمیانی حصہ میں انتقال کیا۔ ذہبی نے اس کے حالاتِ زندگی میں یہ تحریر کیا ہے: "ایسے جعلی قصہ گڑھنے والا جن کا کہیں کوئی وجود نہیں ہے۔" یہ ابوالحسن البکری محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن کے علاوہ ہے جن کا انتقال ۹۵۴ھ میں ہوا تھا۔ ابوالحسن البکری کے مزید حالات سے واقفیت کے لئے ملاحظہ فرمایئے: میزان الاعتدال، احمد بن عبد اللہ کے حالات زندگی (حالات زندگی نمبر ۴۴۰) اور لسان المیزان (حالات زندگی نمبر ۶۳۹) اور اعلام زرکلی، ج۱، ص۱۴۸

کو "ربیع المولود" کے دس دنوں میں "علمائے کرام کے سامنے" پڑھا جاتا تھا اور دوسری دلیل[1] یہ کہ وہ شہید ثانیؒ کا استاد تھا۔

پہلی دلیل ہمارے لئے اس واسطے قابل قبول نہیں ہے کہ ممکن ہے کہ علماء کی بزم میں سیرۂ ابن ہشام سے بھی سیرت پیغمبرؐ کے کچھ ابواب پڑھے جاتے رہے ہوں۔

دوسری دلیل کے بارے میں جب میں نے مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ صاحب، روایت میں شہید ثانیؒ کے استاد تھے اور وہ بھی ایسا اجازۂ روایت کہ جو سنی شیعہ کو اور شیعہ سنی کو دیتا تھا۔

مزید تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ "ابوالحسن البکری" دو لوگوں کا نام تھا جن میں ایک شامی ہے اور دوسرا مصری ہے، ایک کا نام "احمد" ہے اور دوسرے کا نام "محمد" ہے اور یہ روایت اسی مصری کی ہے جو حدیث گڑھنے میں شہرت رکھتا ہے اور اس کی تین کتابیں بھی ہیں؛ ایک پیغمبرؐ کی ولادت کے حالات کے بارے میں ہے، دوسری میں حضرت علیؑ کا مقتل ہے اور ایک کتاب جناب فاطمہؑ کے بارے میں لکھی ہے اور اس کی کچھ باتیں بحار الانوار میں درج ہو گئی ہیں اور وہیں سے ہماری کتابوں حتیٰ کہ "منتہی الآمال" میں منتقل ہوئی ہیں۔

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اصفہان میں ربیع المولود (جشن ولادت پیغمبر ﷺ) کے پروگرام ہوتے تھے۔

مختصر یہ کہ ایسے افراد کی حدیثیں ہماری کتابوں میں اسی طرح آئی ہیں۔

شیعہ علماء کے درمیان شروع سے لے کر آج تک کسی اور نے علامہ مجلسیؒ کی طرح حدیث کی خدمت نہیں کی ہے، ان علماء نے جو خدمتیں کی ہیں ان کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، آج ہمارے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ انہیں حضرات کا صدقہ ہے۔

لیکن بات دراصل یہ ہے کہ "شیعہ علماء ایک دوسرے کا احترام ضرور کرتے ہیں مگر ایک دوسرے کی تقلید ہرگز نہیں کرتے۔"

ہم تقلید نہیں کرتے ہیں بلکہ سیرت، تفسیر قرآن، عقائد، اخلاق وآداب وغیرہ سے متعلق حدیثوں کے بارے میں ہمیں اسی دقت نظر اور دقیق چھان بین کی ضرورت ہے جو کام فقہ کے میدان میں ہمارے علماء نے انجام دیا ہے۔

گذشتہ علماء کی دقت نظر اور کام کی صلابت نیز ان کے بے حد محتاط رویے کا ایک نمونہ حاضر خدمت ہے۔

نقل حدیث میں تشیع کی دقتِ نظر کا ایک نمونہ

جن علماء نے حدیث کے بارے میں کام کیا ہے اور میں نے بھی ان کا دور دیکھا ہے ان میں سے راقم الحروف کے جد خاتم المحدثین آقا میرزا محمد شریف عسکری تہرانی مرحوم بھی تھے۔ آپ آیت اللہ العظمیٰ میرزا حسن شیرازی (جنہوں نے تنباکو کی حرکت کا فتویٰ دیا تھا) کے شاگرد تھے۔ یہ سامرہ کے تیسرے بڑے عالم تھے، آقائے میرزا محمد تہرانی نے "بحار الانوار" کی "مستدرک" لکھی تھی جس کے صرف اجازے ہی پانچ جلدوں میں تھے اور شیخ بزرگ تہرانیؒ اور آقائے سید محسن امین عاملی نے اپنی کتابوں میں ان کی "کتاب اجازت" سے استفادہ کیا ہے اسی طرح بحار الانوار کے اجازوں کی بھی چار جلدیں ہیں۔

اس مقام پر دو اجازوں کی نقل آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے تاکہ آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے کہ گذشتہ علماء حدیث نقل کرنے میں کس درجہ احتیاط اور دقتِ نظر سے کام لیتے تھے۔ یہ دونوں اجازے میں نے بحار الانوار کی کتاب اجازات سے اپنی کتاب "القرآن الکریم وروایات المدرستین" میں نقل کئے ہیں اور بحار الانوار میں تو یہ اجازے علامہ مجلسیؒ کی تحریر میں ہی چھپے ہوئے ہیں۔

۱۔ شیخ فخر الدین محمد بن علامہ حلیؒ نے شیخ محمد بن مظاہر کو جو اجازہ دیا تھا اس کا ایک حصہ یہ ہے:

"وأجزتُ له ایضاً أن یَروِیَ عنّی۔۔۔"

میں نے ان کو اجازت دے دی ہے کہ وہ میرے واسطہ سے شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی کی کتابوں کو نقل (روایت) کر سکتے ہیں جن میں ان کی کتاب "تہذیب الاحکام" بھی شامل ہے کہ اس کتاب کو میں نے اپنے والد سے سبق سبق کرکے پڑھا ہے اور یہ سلسلۂ (قرأت)[1] ۷۱۲ھ میں تمام ہوا، وہ مجھ سے اور میرے والد سے اسے نقل کر سکتے ہیں نیز میرے والد نے اسے اپنے والد ابو مظفر یوسف بن علی سے پڑھا تھا اور انہوں نے انہیں نقل کرنے کی اجازت دی تھی اور یوسف مذکور نے اسے شیخ معمر بن ہبۃ اللہ بن نافع الوراق کے سامنے پڑھا تھا اور انہوں نے ان کو اس کی روایت نقل کرنے کی اجازت دی تھی پھر فقیہ، معمر مذکور نے اسے فقیہ ابو جعفر محمد بن شہر آشوب کے سامنے پڑھا تھا اور انہوں نے انہیں اس کی روایت کرنے کی اجازت دی تھی اور ابن شہر آشوب نے اس کے مولف ابی جعفر بن الحسن الطوسی سے اسی کتاب کو پڑھا تھا اور میرے دادا نے اسے دو بار پڑھا ہے۔

---

[1] قرأت یعنی الفاظ کے ساتھ ساتھ استاد سے کتاب کے معنی و مفاہیم بھی سیکھنا۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: القرآن الکریم وروایات المدرستین، ج۱، ص۲۸۶، ۲۹۹، طبع اول ۱۴۱۵ھ

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شیخ فخر الدین محمد نے اس کتاب کو (سبق کی طرح) دو ذریعوں سے اس کے مؤلف تک پہنچا کر اجازہ دیا ہے یعنی کتاب کو دو بار دو اساتذہ کے سامنے پڑھا ہے اور ہر استاد نے دوسرے اساتذہ کے سامنے پڑھا ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ کتاب کے مصنف تک پہنچ گیا۔

۲۔ ایک اور اجازہ ہے جو علامہ مجلسیؒ کا اجازہ ہے اور انہوں نے اسے کتاب کافی کے اجازہ کے طور پر لکھا ہے جسے یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ کتاب "کافی" کا یہ نسخہ امام رضاؑ لائبریری (مشہد مقدس) میں آج بھی محفوظ ہے اسی اجازہ کا ایک حصہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خداوند عالم انہیں علم اور عمل کے میدان میں اعلیٰ درجات طے کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔۔۔ سنتے ہوئے، اصلاح کرتے ہوئے، دقت نظر اور یادداشت کے ساتھ مختلف نشستوں کے دوران جن کی آخری نشست ۱۵/ جمادی الاول ۱۰۳۳ھ کو تمام ہوئی۔

دوسری جگہ دوسرے اجازہ میں یہ تحریر کرتے ہیں:

اسے مولی، فاضل، بارع، ذکی۔۔۔ مولانا محمد شفیع تویسرکانی نے منزل تکمیل تک پہنچایا ہے۔ سماعت، اصلاح، دقت نظر اور یادداشت کے ساتھ مختلف نشستوں کے دوران جن کی آخری نشست ذی القعدہ ۱۰۸۳ھ میں کسی دن پوری ہوئی یعنی کتاب

کافی کو ان کے سامنے جہاں تک پڑھتے تھے، اجازت دینے والا استاد (اسی جگہ کتاب کے حاشیہ) پر ان کے لئے اجازہ لکھ دیتا تھا، اس کے بعد وہ فرماتے ہیں:

"اَجَزْتُ لَهُ دام تأییدہ" میں نے ان کو یہ اجازت دے دی کہ وہ میرے ذریعہ اصحاب عصمت سے متصل سندوں کے ساتھ ہر اس چیز کی روایت کر سکتے ہیں کہ جس کی روایت میرے نزدیک صحیح ہے۔

ہمارے گذشتہ علماء کے نزدیک اجازۂ روایت بالکل ایسا ہی تھا جیسے موجودہ دور میں اجتہاد کا اجازہ ہے (اور ایسا نہیں تھا کہ جیسے خود میرے پاس اپنے شیوخ (اساتذہ) جیسے شیخ آقا بزرگ اور اپنے دادا کا اجازۂ روایت ہے کبھی میں بھی اجازۂ روایت دیتا ہوں۔) کہ کلی اور مجموعی طور پر کہہ دیں: "میں نے انہیں ان چیزوں کی روایت کرنے کی اجازت دے دی ہے جن کی روایت میرے نزدیک صحیح ہے۔" نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اجازت دینے والے کے سامنے جو چیزیں صحیح طریقہ سے پڑھی جاتی تھیں وہ ان کی اجازت دیتا تھا (اور یہ وضاحت کرتا تھا کہ میرا اجازہ بھی فلاں واسطوں سے کتاب کے مؤلف تک پہنچتا ہے۔)

علم روایت کے بارے میں ہمارے گذشتہ علماء کا یہی شیوہ اور طریقہ تھا لیکن جب سے اخباریوں اور اصولیوں کے بحث و مباحثے شروع ہوئے تب سے ہمارا زیادہ تر کام فقہی روایتوں میں غور و فکر کرنا رہ گیا اور بقیہ حدیثوں کو صحیح اور مناسب انداز سے

استاد کے سامنے نہیں پڑھا جاتا اور استاد سے روایت بھی نہیں کرتے ہیں اور ہمارے پاس روایت کے جو اجازے موجود بھی ہیں وہ گذشتہ اجازوں جیسے نہیں ہیں۔

لیکن میں نے جو کچھ مکتب خلفاء میں دیکھا ہے اس کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ کرلیں:

اہل سنت کی ایک کتاب میں یہ تحریر تھا کہ ان کے ایک عالم نے (کسی عالم کے گھر میں) ایک بچہ کو جھولے میں دیکھا تو کہا: "مجھے یہ خوف ہے کہ یہ بچہ میرے درس میں حاضر نہ ہوسکے لہٰذا میں نے اس بچہ کو یہ اجازت دے دی ہے کہ یہ مجھ سے روایت نقل کرسکتا ہے۔"[1]

اس سے آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ مکتب اہل بیتؑ اور مکتب خلفاء کے درمیان حدیث نقل کرنے کے بارے میں کس درجہ فرق پایا جاتا ہے؟

وَآخِرُ دَعوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ

[1] القرآن الکریم وروایات المدرستین، ج۱، ص ۳۱۳

ناشر

اہل بیتؑ کونسل انڈیا